



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمْ اَحِبَاب

ناولز کی دنیا کے ناولز میں خوش آمدید

ناولز کی دنیا "ویب سائٹ / گروپ / پیج" دے رہا ہے تمام لکھاریوں کو ایک ایسا پلیٹ فارم جہاں آپ اپنی خدا داد صلاحیتوں کو اپنے قلم سے تحریر کر کے اپنا اور اپنے ملک کا نام روشن کر سکتے ہیں۔۔۔ اگر آپ کو بھی اللہ کی طرف سے یہ صلاحیت دی گئی ہے تو اسے اجاگر ضرور کریں۔۔۔ ہمیں آپ جیسے ہی لکھاریوں کی تلاش اور ضرورت ہے۔۔۔

اگر آپ ہمارے بلاگز پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو ہم سے رابطہ کریں۔۔۔ اپنی تحریر اردو میں ٹائپ کر کے ہمیں بھیجیں۔ جتنا جلدی ہو سکا آپکی تحریر پوسٹ ہو جائے گی۔۔۔

مزید تفصیلات یا کسی بھی طرح کی مدد کے لیے ہم سے گروپ یا پیج انباکس میں رابطہ کریں یا ای میل پر ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔۔۔

Email address :- Novelskiduniya77@gmail.com

Facebook page :- [Novels ki duniya](#)

(user name [@zoyatalib77](#))

Facebook group :- [Novels ki duniya](#)

Instagram Page:- [Zoya Talib](#) (UserName: [Novelskiduniya77](#))

[Youtube Channel: Novels Ki Dunya \(NKD\) Official](#)

(پر خیال رہے کہ یہ گروپ زویا طالب کا ہی ہو)

اور باقی کے رابطے کے لیے ہر پیج کے نیچے **Blue** الفاظ میں لکھے لفظ میں آپکو لنکس مل جائے گے ان سب کے۔۔۔

لکھا ہے ان دونوں کو وزٹ کرنے کے لیے لکھے ہوئے پر ہی کلک کریں اور اوپن کر لیں۔۔۔

شکریہ

خواہر و برادر

از: استراء ناصر

قسط نمبر: 12

چھت پر بجھی چارپائی پر نوال کچھ ایسے لیٹی تھیں کہ ان کے پاؤں چھت کی فرش کو چھو رہے تھے۔ ان کی آنکھیں آسمان کی جانب تھیں جو آج خاصا ابر آلود دکھائی دیتا تھا۔

سنہری آنکھوں میں ایک دم سے جھماکا چھایا اور بادلوں سے بھرا آسمان یک لخت غائب ہوا۔

(آسمان پر اندھیرا ہر سو چھایا ہوا تھا۔ اسی چھت کی منڈیر پر وہی سنہری آنکھیں تھیں، جن آنکھوں کی مالکن کی جوانی اور حسن دونوں جو بن پر تھا۔ اس چھت کی منڈیر پر ایک لڑکا بیٹھا تھا جو دکھنے سے ہی ایک آوارہ انسان لگتا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے۔ اگر ہم غور کریں تو سنہری آنکھوں والی لڑکی کہہ رہی تھی۔

"اور پھر زینب خوشی خوشی نکاح کے لیے مان گئی!" وہ اپنا جھوٹ اس قدر پر سکون انداز میں کہہ رہی تھی کہ رونی کو اس پر یقین آگیا تھا مگر نوال ہی یہ بات جانتی تھی کہ یہ سب کہتے ہوئے اس کا ضمیر اس پر کتنی ملامت کر رہا تھا۔

کچھ دیر یونہی خاموشی چھائی رہی پھر رونی نے اپنی کہنی شروع کی۔

"میں نے اسے پہلی بار گلی میں گزرتے ہوئے دیکھا تھا اور میں پہلی دفعہ ہی اسے دیکھ کر اپنا سب کچھ ہار بیٹھا تھا۔ اس میں اتنی کشش تھی کہ دل چاہتا تھا اسے سب سے چھپا کر اپنے پاس لے آؤں۔"

رونی یونہی اپنی داستان بتا رہا تھا۔ نوال بظاہر اسے یہی دکھا رہی تھی کہ وہ غور سے رونی کی باتیں سن رہی ہے مگر درحقیقت اس کے حلق میں گرہیں بندھ رہی تھیں۔ اپنے محبوب سے اس کے محبوب کی تعریفیں سننا بڑا حوصلہ طلب کام ہوتا ہے اور نوال یہ کام بڑی خوش اسلوبی سے کر رہی تھی۔

کچھ دیر بات کرنے کے بعد رونی اسے خدا حافظ کہہ کر چھت کی دیوار سے چڑھ کر اوجھل ہو گیا جبکہ نوال کچھ پل کے لیے اس جگہ کو دیکھتی رہی جہاں سے وہ گیا تھا۔

آہستہ آہستہ یہ معمول بندھ گیا۔ وہ دونوں روز یونہی آکر باتیں کیا کرتے تھے)

منظر غائب ہو گیا۔ نوال نے جب غور کیا تو انہیں پتہ چلا وہ تو مسکرا رہی تھی مگر کیوں؟

اس سوال نے ان کی مسکراہٹ سمیٹ دی کیونکہ آگے جو ہوا تھا ان سب میں اس مسکراہٹ کا کوئی کام نہیں تھا۔

(وقت، جگہ، منظر وہی تھا اگر کچھ بدلا تھا تو وہ بس سنہری آنکھیں تھیں۔ آج یہ آنکھیں اشک بہاتی دکھائی دے رہی تھیں جبکہ سامنے بیٹھا رونی اسے بہت فکر مندی سے دیکھ رہا تھا۔

"میرے ابو نے ہانی کی منگنی کر دی ہے اب وہ چاہتے ہیں میری اور ہانی کی شادی ایک ساتھ ہی ہو جائے۔ میں کیا کروں رونی؟ مجھے اشفاق سے شادی نہیں کرنی ہے۔" وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ رونی نے نگاہیں نیچے کر لی۔

"میں سمجھ سکتا ہوں۔ اشفاق جیسے انسان سے شادی کرنا کیسا عذاب ہے۔" رونی نے ہمدردی سے کہا تھا۔

نوال مسلسل آنسو بہاتی رہی پھر وہ ایک پل کے لیے رکی۔ پھر اس نے جھجھکتے ہوئے پوچھا۔
"کیا تم مجھ سے سے شادی کرو گے رونی؟"

رونی نے پہلے بے یقینی سے نوال کو دیکھا۔ اسے لگا جیسے وہ مذاق کر رہی تھی مگر جب ایسا کوئی تاثر نہیں ابھرا کہ وہ بس مذاق کر رہی ہے تو رونی فوراً سے ہاتھ اٹھا کر کھڑا ہو گیا۔
"نہیں۔۔ میں ایسے کیسے۔۔!" اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی نوال دوبارہ بول اٹھی۔

"نہیں رونی! تم مجھے یوں مت چھوڑو۔ مجھے اشفاق پسند نہیں ہے۔ مجھے تم پسند ہو۔ پلیز مجھے اشفاق جیسے انسان کے پاس مت چھوڑو۔ میں مر جاؤں گی۔ تم مجھے اپنے ساتھ کہیں دور لے جاؤ۔"

نوال اب پھوٹ پھوٹ کر رونے لگ گئی تھی جبکہ رونی ششدر رہ گیا تھا۔ نوال اسے پسند کرتی ہے۔ اس بات نے اسے بہت بڑا جھٹکا دیا تھا۔ ایک دم سے رونی کے ذہن میں کچھ آیا۔ اس کی آنکھوں میں ایک چمک ابھری جس کی وجہ ابھی کسی کو سمجھ نہیں آ سکتی تھی۔

"ٹھیک ہے!" رونی ہوئی نوال ایک دم سے چپ ہوئی۔ اب کی بار اس نے بے یقینی سے رونی کو دیکھا جو اب پر سکون دکھائی دیتا تھا۔

"میں تم سے شادی کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

اس کی بات سن کر نوال مزید بے یقینی کا شکار ہو گئی۔

"تم سچ کہہ رہے ہو۔" اس سے پہلے وہ مزید کچھ کہہ پاتی نچی منزل سے ایک نسوانی آواز گونجی۔

"نوال!"

نوال نے رونی کو ایسے دیکھا جیسے اس وقت جانے کا کہہ رہی ہو پھر بھاگتی ہوئی وہ نیچے چلی گئی۔

منظر ختم ہو گیا تھا مگر نوال نے حال میں آنے کی بجائے ایک دوسرے منظر میں گھسنا زیادہ اچھا سمجھا۔

("تم نے جو کل کہا تھا وہ سچ تھا ناں رونی؟" کل سے اٹکا اس کے دل میں سوال آج اس نے بیان کر دیا تھا۔

"تو تمہیں کیا لگتا ہے اتنی بڑی بات میں مذاق میں کروں گا؟" رونی نے اسی کے لہجے میں کہا۔ نوال گڑبڑا گئی۔

"نہیں مجھے لگا تم نہیں مانو گے۔"

"کیوں؟" رونی کے ابرو اوپر کو اٹھے۔

"مجھے لگا تم زینب سے پیار کرتے ہو اسی لیے تم مجھ سے شادی نہیں کرو گے۔ تم مجھے منع کر دو گے۔" نوال کی بات سن کر رونی اس کے ایک قدم قریب آیا اور اس کا ہاتھ تھام لیے۔ نوال بس اسے تکتی رہی۔

"زینب میری زندگی سے جا چکی ہے۔ میں اس تلخ حقیقت کو قبول کر چکا ہوں۔ پھر میں اس کا روگ لے کر کیا کروں گا۔ شادی تو مجھے ایک نا ایک دن کرنی ہی ہے تو کیوں نا ایسی لڑکی سے کروں جو مجھے اچھے سے سمجھ سکتی ہو۔ تم بہت اچھی لڑکی ہو۔ شاید زینب کا تو بہانہ تھا میں تو یہاں پر تم سے ہی روز ملنے آتا تھا۔ تمہیں دیکھنے، تم سے ملنے۔"

رونی کی یہ بات سن کر نوال کو ایسا لگا جیسے وہ کب سے جل رہی تھی اور رونی کے الفاظ ٹھنڈے پانی کی طرح اس پر کام آئے تھے۔

"تم.... تم!" نوال سے کوئی بھی بات بنائی ہی نہ جاسکی۔

"ہاں میں سچ کہہ رہا ہوں۔" رونی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ نوال کو یہ سب خواب لگ رہا تھا۔ وہ اس میں جینے لگی لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھی خواب عارضی ہوتے ہیں۔ خوابوں کے آگے حقیقت ہوتی ہے اور خواب جتنا حسین ہوتا ہے حقیقت اتنی خوفناک محسوس ہوتی ہے)

ایک اور دفعہ دماغ نے حال میں جانے سے انکاری کیا۔ اب وہ سب سے اہم یاد میں جانے کے لیے تیار تھیں۔

(یہ منظر چھت کا نہیں تھا۔ یہ منظر تھا اندھیرے میں ڈوبی سنسنان سڑک کا۔ اس سڑک کو دیکھ کر ایسا لگتا تھا شاید ہی کوئی اس پر آیا ہو مگر یہ خیال منظر میں شامل ہوتے ایک رکشے نے دور کر دیا۔ وہ رکشہ اپنی لائٹس اندھیرے میں جلانے اس سڑک پر پہنچ گیا۔ اس نے اپنا رکشہ ایک طرف کیا اور پھر رک گیا۔

رکشے میں سے پہلے ایک نفوس باہر آیا اور رکشے والے کے سامنے کھڑا ہو گیا جبکہ دوسرا نفوس چادر میں لپٹ کر بڑی احتیاط سے نیچے اتر۔

پہلے نفوس نے رکشے والے کو پیسے دیے اور پھر دوسرے نفوس کا ہاتھ تھام کر اسے سڑک سے کچھ دور لے کر جانے لگ گیا۔ چلتے چلتے اس سنسان جگہ کے عین وسط پر پہنچ گیا جہاں پر ایک کارخانے جیسی عمارت بنی ہوئی تھی۔ پہلے نفوس نے دوسرے نفوس کا ہاتھ چھوڑا اور اس عمارت کا دروازہ کھٹکھٹایا۔

تھوڑی ہی دیر میں دروازہ کھل گیا۔ پہلے نفوس نے اپنے پیچھے کھڑے شخص کو گردن ہلا کر اندر آنے کا اشارہ کیا اور خود بھی اندر چلا گیا۔ وہ بھی پیچھے پیچھے پہنچ گیا۔

جیسے ہی اپنے جسم اور بالوں کو چادر ڈھانپے ہوئے وہ اندر پہنچی تو ایک دم سے اس کے پیچھے موجود دروازہ یکدم بند ہوا۔

اس نے ڈر کر پیچھے دیکھا تو اسے اپنے پیچھے رونی ہی دکھائی دیا مگر یہ اس رونی سے الگ تھا جو کچھ دیر پہلے اس کے ساتھ سفر میں تھا۔ وہ اس رونی کو نہیں جانتی تھی۔

نوال نے فوراً سے اپنا دوپٹہ صحیح سے شانوں میں پھیلا دیا۔ یہاں پر رونی نہیں تھا مگر جانے کیوں ہمیشہ اس اذیت ناک منظر کو سوچ کر وہ یونہی عدم تحفظ کا شکار ہو جایا کرتی تھیں۔

("نوال!" خاصے بیٹھے لہجے میں اس نے یہ نام ادا کیا تھا۔ رونی شیطانی مسکراہٹ لیے اس کی جانب بڑھ رہا تھا جبکہ نوال اپنے قدم پیچھے لیے جا رہی تھی۔

"میری پیاری نوال! تم میرے ساتھ آخر آ ہی گئی۔" رونی نے ایک اور قدم اس کی جانب بڑھایا تھا۔ وہ مزید پیچھے ہونا چاہتی تھی مگر ان دونوں کے ارد گرد بہت سے لڑکے دائرہ بنائے کھڑے تھے۔ نوال کی چھٹی حس چیخ چیخ کر اسے بتا رہی تھی کہ وہ یہاں کس نیت سے لائی گئی تھی مگر پھر بھی ایک موہوم سی امید اس کے دل میں جل رہی تھی۔

"رونی۔۔" اس نے ڈرتے ہوئے بات کرنا شروع کیا۔ "رونی یہ تم کیا کر رہے ہو؟ تم تو مجھے نکاح کے لیے لائے تھے ناں؟"

"کونسا نکاح نوال جان؟" رونی انجان ہو گیا۔

"تم مذاق کر رہے ہو نا؟" نوال نے مسکرانے کی انتہائی بری کوشش کی۔

"نہیں! میں بہت سیریس ہوں۔ دیکھو!" اب رونی اس کے بالکل قریب آ گیا تھا۔

"تم یہ سب کیوں کر رہے ہو؟" نوال کی آواز میں نمی گھل گئی۔

"تمہارے منگیتر نے بھی تو میرے ساتھ یہی کیا تھا ناں؟" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا بولا۔ اس کا لہجہ اور تاثرات دونوں ہی پتھر یلے ہو گئے تھے۔ "اس نے بھی تو میرا پیار مجھ سے چھینا تھا۔ اب اگر وہی کام میں کر رہا ہوں تو تمہیں یہ زیادتی لگ رہی ہے۔"

"تم اس کا بدلہ لینا چاہتے ہو مجھ سے؟" نوال کی گھبراہٹ اب عروج پر پہنچ گئی تھی۔

"بالکل! میں تم سے بدلہ لوں گا تاکہ اسے بتا سکوں اس نے مجھ سے کیا چھینا ہے۔ پہلے میں تمہاری وہ حالت کروں گا کہ تمہیں خود اپنے جسم سے گھن آئے گی اور پھر میں تمہیں تمہارے باپ کے گھر کے عین سامنے پھینک دوں گا۔ ہر آتا جاتا شخص تمہیں جس حالت میں دیکھے گا وہ اپنے آپ ہی آپ شرم سے پانی پانی ہو جائے گا اور تمہارا منگیتر جو ہمیشہ سے تم سے منسوب ہے اس کے لیے تو یہ ڈوب مرنے کا مقام ہو گا۔ لیکن بات یہی پر ختم نہیں ہو گی۔"

"وہ کیمرہ دیکھ رہی ہوں ناں!" رونی نے اس کی پشت کی جانب اشارہ کیا۔ "اس میں بھی تمہارے ساتھ ہوئے ہوئے ایک ایک پل کو محفوظ کروں گا اور اسے ہر جگہ پھیلا دوں گا۔"

نوال کی زبان حلق میں پہنچ گئی تھی۔ وہ جانتی نہیں تھی رونی اس کے ساتھ ایسا کرے گا۔ اس کا دل چاہا بھاگ جائے مگر اتنے سارے مردوں میں وہ بھاگ کر جاتی بھی کہاں؟

"تم نے مجھ سے پیار کیا تھا!" نوال نے اس کی یاد دہانی کروائی۔ وہ جانتی تھی مقابل کا جواب کیا ہو گا۔

"میں نے تم سے کبھی پیار نہیں کیا تھا نوال!"

اور پھر بس، خوابوں کا محل زمین بوس ہو چکا تھا۔

"کیمرہ میرے تین گننے پر اسٹارٹ کرنا!" رونی نے پیچھے کھڑے شخص کو ہدایت کی۔

"ایک!" رونی اسے پکڑ چکا تھا۔ نوال نے مزاحمت کرنا چاہی مگر وہ اسی پل دم توڑ گئی۔

"دو" اس نے اس کی چادر اتار دی تھی۔

"تین!"

دروازہ ایک دم زور سے کھلا۔ کارخانے میں موجود سب لوگوں کی توجہ یک دم کھلے دروازے پر گئی۔ دروازے پر اس وقت ایک ہیولا کھڑا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ تھوڑا سا آگے بڑھا تو نوال نے اس کا چہرہ دیکھ لیا۔

اس کو بچانے کے لیے مسیحا آ چکا تھا!

رونی کی گرفت کمزور پڑ گئی تھی۔ نوال نے اس کا ہاتھ جھٹکے سے اپنے بازو سے ہٹایا اور بھاگتی ہوئی اشفاق کے پاس گئی۔

اشفاق نے اس کا ہاتھ اس قدر مضبوطی سے تھاما کہ نوال کے جسم میں درد کی لہریں پیدا ہو گئیں۔

اشفاق نے اسے اپنے پیچھا کر لیا۔ ارد گرد پولیس کی موبائل کا ہارن بھی سنائی دینے لگ گیا تھا۔

اگلی یاد میں جانے کے لیے بہت سے حوصلے کی ضرورت تھی۔ نوال نے بہت ہمت جمع کی اور آخر کار اپنی زندگی کی اذیت ناک لمحات میں بھی کھو گئی۔

(صبح صادق کا وقت تھا۔ حسن صاحب، ان کی بیگم اور ہانی، وہ تینوں شاک تاثرات کے ساتھ صحن کے ایک طرف کھڑے تھے جبکہ صحن کی دوسری طرف اشفاق کھڑے تھے۔ ان کے چہرے پر نیل

اور زخم کے نشانات تھے اور آنکھوں میں خون اتر ا ہوا تھا۔ انہوں نے اپنی آنکھیں صحن کے عین بیچ میں پڑی نوال پر گاڑھی ہوئی تھی جو چپ چاپ روئے جا رہی تھی۔

اشفاق جیسے ہی اسے لے کر گھر میں داخل ہوئے انہوں نے نوال کو یونہی صحن میں دھکا دے کر پھینکا تھا اور اونچی آوازیں دے کر سب کو بلا لیا تھا۔ وہ ساری کہانی ان سب کو سنا چکے تھے۔ صحن میں اب خاموشی چھائی تھی۔ اتنا سناٹا تو اشفاق صاحب کے والدین کے انتقال پر بھی نہیں ہوا تھا۔ شاید آج اس گھر میں انسانی جان سے بھی کوئی قیمتی شے لٹ گئی تھی۔

حسن صاحب نے ماحول میں طاری اس جمود کو تقریباً پندرہ منٹ بعد توڑا۔ ان کے چہرے پر بے یقینی ابھی تک واضح تھی۔ وہ آہستہ آہستہ قدم لیتے ہوئے نوال کے پاس آئے اور اسے کندھوں سے پکڑ کر کھڑا کیا۔ ان کی گرفت اشفاق کی گرفت کی طرح سخت نہیں تھی لیکن اس گرفت میں اب شفقت، محبت بھی نہیں ملتی تھی۔

حسن صاحب کچھ دیر تک نوال کا چہرہ دیکھتے رہے پھر آہستہ آواز میں بولیں۔

"کیوں گئی تھی تم رونی کے ساتھ؟" لہجہ اور الفاظ سخت نہیں تھے مگر انداز ایسا تھا کہ بندے کا اسی وقت مر جانے کو دل چاہے۔

"میں اس سے محبت کرتی ہوں، اسی لیے۔" نوال نے اپنی زبان دانتوں تلے دبائی۔ وہ اظہارِ محبت کر رہی تھی، اپنے باپ کے سامنے۔ اگر یہ حیا بھی نہ ہوتی تو بھی جس بات نے اسے رکنے پر مجبور کیا تھا وہ اس کے اپنے الفاظ تھے۔ اس نے کہا وہ محبت کرتی ہے حالانکہ بولنا تو اسے یہ چاہیے تھا وہ محبت

کرتی تھی۔ اس نے ایک پل کے لیے دل جھانکا تو اس کو اپنا وجود زلزلوں کی زد میں لگا۔ وہ ابھی تک رونی کی محبت میں گرفتار تھی۔ اس سب کے بعد بھی! اس وقت تو وہ سوچ رہی تھی وہ ہمیشہ رونی سے نفرت کرے گی لیکن انسانوں کی سوچ نے کبھی دل پر قابو پایا ہے۔

دوسری طرف حسن صاحب اپنی بیٹی کے اس قدر بے باک اظہارِ محبت پر بھڑک اٹھے۔ انہوں نے کچھ ساعت اس کا چہرہ دیکھا جو گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ حسن صاحب کو نوال کے چہرے پر کوئی شرمندگی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

حسن صاحب نے بھی دھکا دے کر اسے گرا دیا اور واپس مڑ گئے۔ وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھ رہے تھے۔ جاتے جاتے انہوں نے ملامت بھری نظر اپنی بیگم پر ڈالی جو نظریں چرا گئیں۔

آسمان پر آہستہ آہستہ سفیدی چھا رہی تھی مگر نوال کی آنے والی زندگی میں اب کوئی سفیدی نہیں چھانے والی تھی۔)

نوال اٹھ کر بیٹھ گئیں۔ انہوں نے ساتھ والے گھر کی طرف دیکھا جس کی چھت یہاں سے بھی واضح دکھائی دے رہی تھی۔ وہاں ایک عورت کپڑے سکھا رہی تھی۔ نوال کی نظر کچھ دور پڑے ڈوپٹے پر گئی جو سرخ رنگ کا تھا۔ اس عورت نے اسے بھی دھو کر سکھایا تھا۔ نوال کے دماغ میں ایک دم سرخ کا راج ہوا۔

وہ اسی سرخ کا پیچھا کرتی ہوئی واپس ماضی میں چلی گئی۔
(نوال کے گھر کے بھاگنے کے یہ دو دن بعد کا ذکر ہے۔)

سرخ رنگ کے گھونگھٹ میں اس کا چہرہ چھپا ہوا تھا۔ میک اپ کے نام پر اس نے صرف لال رنگ کی لپ اسٹک لگائی تھی۔ مریم نے اسے اپنی شادی کا لہنگا ہی پہنا دیا تھا۔ سب کچھ اتنی جلدی ہو رہا تھا کہ کسی کو بھی سمجھ نہیں آ رہی تھی کیا کرے؟ نکاح جتنا سادگی سے ہو سکتا تھا، اسے کروایا جا رہا تھا۔ چند ایک قریبی عزیز کو بلوانے کے علاوہ کوئی بھی یہاں بلوایا نہیں گیا تھا۔

نوال نے بہت کوشش کی اس شادی کو رکوانے کی لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ اشفاق خود بھی پہلے اس شادی کے لیے راضی نہیں تھا مگر جانے کیسے حسن صاحب نے اسے منایا تھا۔ کچھ دیر بعد حسن صاحب مولوی صاحب اور چند گواہان کو لے کر گھر میں داخل ہو گئے۔

مولوی صاحب کو عین اس کے سامنے بٹھایا گیا۔ گھونگھٹ نکلنے کی وجہ سے کوئی بھی نوال کے چہرے کو نہیں دیکھ سکتا تھا جس کا خون بری طرح نچڑ رہا تھا۔

"کیا آپ کو یہ نکاح قبول ہے؟" مولوی صاحب نے اس سے پوچھا۔ وہ کیا جواب دیتی؟ یہ نکاح اسے قبول ہوتا اگر نکاح نامے پر اشفاق کی بجائے رونی کا نام لکھا ہوتا لیکن ابھی!

"نوال!" حسن نے سخت تنبیہی انداز میں اس کا نام لیا۔

نوال نے ہمت جمع کی۔

"قبول ہے!"

اور پھر بس جو بھی تھا اب ختم ہو گیا تھا۔ اب زندگی نے اندھیروں میں ہی سفر کرنا تھا۔

نوال نے ایک گہری آہ بھری۔ نکاح کے بعد سے لے کر اب تک اشفاق کے رویے میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ ان دونوں کے درمیان بس ایک ہی رشتہ بن سکا۔ حاکم اور محکوم کا!

آج بہت برس بعد ان کے دل میں شکوہ جاگا۔

"رونی! کاش تم مجھے یوں چھوڑ کر نہ جاتے۔"

کمرے کی حالت ابتر تھی۔ بیڈ کی چادر زمین پر لگ رہی تھی۔ بیڈ پر ایک ساکن جسم تھا۔ اس کا خون نچڑا ہوا تھا جبکہ اس کے عین سامنے ایک شخص کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ رینگ گئی۔

"زینب! تمہارا حسن تو ان سالوں میں مزید نکھر گیا۔ یقین ہی نہیں آیا تم دو بچوں کی ماں ہو۔"

زینب کے چہرے پر کچھ بھی نہیں تھا۔ اس کی حالت چیخ چیخ کر بتا رہی تھی اس کے ساتھ کیا ہوا ہے۔

رونی اب جانے کے لیے کھڑا ہو گیا تھا۔

"پھر ملیں گے زینب!" اس نے زینب کی لٹ پیچھے کی جو چہرے پر آ رہی تھی۔ زینب کے اندر اتنی

بھی توانائی نہیں تھی کہ اسے روک پاتی۔

اس کے بعد رونی آہستہ آہستہ قدم لیتا ہوا کمرے کے کونے کی طرف گیا۔ اس طرف دونوں بچے

بندھے ہوئے تھے۔ ان دونوں نے یہ سب اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھا تھا۔ اب رونی کو اپنے پاس

آتا دیکھ کر نمرہ کی سیاہ آنکھیں خوف و ہراس سے پھیل گئی تھیں۔ شایان بہت مشکل سے خود کو

گھسیٹ گھسیٹ کر اپنے آپ کو نمرہ کے سامنے کیا۔

رونی جھکا اور شایان کے بالوں پر ہاتھ پھیرا۔ شایان نے نفرت سے اپنا سر جھٹکا۔ اس کی آنکھوں میں طیش تھا۔ وہ رونی کو مار دینا چاہتا تھا۔

"اوکے بچوں میں جا رہا ہوں!" رونی نے دوستانہ انداز میں کہا۔

پھر اس نے ایک نظر نمرہ کو دیکھا۔ نمرہ کی روح تک ان نظروں سے پھڑپھڑا گئی تھی۔

"ویسے ایک بات ماننی پڑے گی تم بھی اپنی ماں سے کم نہیں ہو۔ اتنی سی عمر میں اتنی خوبصورتی!"

"میری بہن کو ہاتھ بھی مت لگانا ورنہ!!" شایان چیخ کر بولا۔ وہ فرط جذبات سے اپنی بات بھی مکمل نہیں کر پایا تھا۔

رونی نے تمسخرانہ انداز میں اس کی جانب دیکھا۔

"ورنہ کیا؟ جس طرح اپنی ماں کو میرے ساتھ دیکھ کر روئے اور چلائے تھے بالکل اسی طرح اپنی

بہن کو دیکھ کر چلاؤ گے۔ ہاں؟"

شایان کے کان کی لو تک سرخ ہو گئی۔

"میرے ہاتھ کھولو پھر میں بتاؤں گا میں کیا کیا کر سکتا ہوں۔"

"تم۔۔۔"

"رونی!"

اس سے پہلے کوئی کچھ کہتا زینب خاموشی سے کھڑی ہوئی اور رونی کے عین سامنے کھڑی ہو گئی۔

"رونی، جتنا تم کرنا چاہتے تھے کر لیا۔ اب اور نہیں!" اس کی آواز مشینی اور کھوکھلی تھی۔

"اب اگر تم نے میرے بچوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھا ناں تو میں تمہاری آنکھیں نکال دوں گی۔" سیاہ آنکھوں میں اس قدر تپش تھی کہ وہ دنیا جلا سکتی تھیں۔

"اچھا تو کچھ دیر پہلے کیوں چپ رہی جب تمہارے ساتھ وہ سب ہو رہا تھا۔ اب بول تو ایسے رہی ہو جیسے بہت کوئی بہادر ہو!" رونی کے لہجے میں استہزاء تھا۔

زینب ایک قدم آگے بڑھی۔ اس کی آنکھیں ابھی بھی رونی پر ٹکی ہوئی تھیں۔

"کیونکہ رونی تم نے جس عورت کو اپنی ہوس کا نشانہ بنایا وہ بس ایک عورت تھی۔ بس ایک عورت! لیکن اب تم جن بچوں پر گندی نظریں ڈالے ہوئے ہو میں ان کی ماں ہوں۔ ایک عورت صدیاں ظلم سہتی رہے گی اور خاموش رہے گی لیکن ایک ماں اپنی اولاد کو نقصان پہنچانے والی حقیر سی شے کو بھی عبرت کا نشان بنا سکتی ہے۔"

سیاہ آنکھیں باور کراتی ایک قدم مزید آگے آئیں۔

"اس لیے بہتر ہو گا تم اپنی راہ لے لو نہیں تو تم جانتے نہیں ہو اب میں کیا کروں گی۔"

ان آنکھوں میں کچھ ایسا تھا جس نے رونی کے ارادوں کو ڈگمگا دیا۔ وہ بے اختیار پیچھے ہوا۔

"یہ مت سوچنا میں تم سے ڈر کر جا رہا ہوں۔ مجھے بس ایک کام ہے۔ میں پھر کبھی چکر لگاؤں گا۔" یہ کہتے ہوئے وہ مڑ گیا۔

"بالکل میں بھی یہی چاہتی ہوں تم دوبارہ ادھر آؤ۔ آج تو تم بن بتائے آئے اس لیے تم واپس جا رہے ہو۔ آئندہ میں تمہاری واپسی کی اچھے سے تیاری رکھوں گی۔ جب تم آؤ گے تو تمہاری اتنی اچھی خاطر مدارت کروں گی کہ آئے تو تم دو پاؤں پر چل کر ہو نا مگر جاؤ گے تم چار کندھوں پر!"

زینب کا لہجہ برف کی حد تک سرد تھا۔ رونی کی ریڑھ کی ہڈی سنسنا گئی۔ وہ مڑا نہیں اور دوڑ کر باہر چلا گیا۔ کچھ دیر تک زینب، شایان اور نمرہ اپنی پوزیشن پر ہی رہے۔ جب انہیں یقین آگیا کہ رونی اب گھر سے جا چکا ہے تو زینب بے اختیار فرش پر بیٹھ گئی۔ اسے دیکھ کر ایسا لگ رہا تھا اس نے بہت بڑی جنگ ہار دی ہو۔ اس کی آنکھوں سے آنسو نکلنے لگ گئے۔ شایان بس اپنی ماں کو دیکھتا ہی رہ گیا۔ شایان کے چہرے پر بے بسی کا تاثر گہرا ہوتا چلا جا رہا تھا۔

جب کہ نمرہ، وہ اپنی ماں کو یوں روتا دیکھ کر خود بھی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اس کے ساتھ بیٹھے شایان نے اسے کوئی تسلی، کوئی دلاسا نہیں دیا۔ وہ سب اب خود سے ایک الگ ہی جنگ لڑ رہے تھے۔

وہ تینوں جو دوسرے کے لیے مکمل تھے آج رونی انہیں اپنے خود کے لیے نامکمل کر گیا تھا۔ ظالم کو ظلم کرتے ہوئے ایک بار تو ضرور سوچنا چاہیے کہ اس کا ظلم کہیں کسی کی نسلیں تو تباہ نہیں کر سکتا ہے۔

کیا پتا یہ سوچ اس کو اس ظلم سے باز رکھے۔ شاید!

نوال جیسے ہی اپنے گھر واپس آئی فوراً سے اشفاق کے کمرے میں گئی۔ توقع کے عین مطابق انہیں دونوں لوگ اسی پوزیشن میں ملے جس میں وہ انہیں چھوڑ کر گئی تھی۔

اشفاق نے سونے کے لیے آنکھوں پر بازو ڈالا ہوا تھا جبکہ عزاہ خاموشی سے ایک طرف رکھے صوفے پر بیٹھی تھی۔ اپنی ماں کو دیکھ کر وہ اٹھ گئی۔

نوال نے اسے باہر آنے کا اشارہ کیا اور خود بھی باہر چلی گئیں۔ عزاہ نے سر اثبات میں ہلایا اور قدم آگے کو بڑھائے۔

کچھ لمحات بعد ہم لوگ اشفاق کے گھر کے لاؤنج میں آئے تو دونوں ماں بیٹی صوفے پر بیٹھی باتیں کرتی دکھائی دیں گی۔

"اب تم نے اپنا بہت زیادہ خیال رکھنا ہے عزاہ، ہلکی سی بھی بے احتیاطی نہیں ہونے دینی۔ سمجھ رہی ہو نا؟" نوال کی فکر ماؤں والی تھی۔

عزاہ نے سر اثبات میں ہلایا۔

"ویسے اماں آپ اس پرانے گھر کرنے کیا گئی تھی؟"

عزاہ کا سوال سن کر وہ کچھ پل کے لیے ساکت ہوئیں۔

"اس گھر میں میری یادیں تھی عزاہ، تمہارے ابو اسے بیچنا چاہتے ہیں لیکن میں ایسا نہیں چاہتی ہوں۔

ادھر میرا بچپن گزرا۔ جوانی گزری ہے اور۔۔۔"

"اور پرانی عاشقی کے قصے بھی وہی سے جڑے ہیں۔" مردانہ آواز سننے پر ان دونوں کی نگاہیں دروازے پر کھڑے اشفاق پر گئی۔ جن کی نگاہیں آج شعلہ بار تھیں۔ عزاہ نے حیرانی سے اپنے ماں کے فق چہرے کو دیکھا۔

اشفاق ایک قدم آگے بڑھے۔ ان کی چال کمزور ہو گئی تھی۔

"تم بہنوں کو اکثر شکوہ رہا ہے ناں میری تمہاری ماں پے سختی پر۔ تو آج سنو میری یہ سختی تم لوگوں کی ہی بھلائی کے لیے تھی ورنہ تمہاری ماں تو جانے کب کی بھاگ جاتی اپنے عاشق کے ساتھ!"

"اشفاق صاحب!" نوال تڑپ کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ عزاہ بھی ہونقوں کی طرح ان کے درمیان کھڑی تھی۔ ماضی کے قصے کھل اٹھے تھے۔

"کیا اشفاق صاحب؟ آواز اونچی کرنے سے تم حقیقت نہیں بدل سکتی ہو۔ بچپن کا تو صرف بہانہ تھا میں اچھے سے جانتا ہوں اس گھر میں تم اپنے اس پرانے محبوب کی آہیں بھرنے گئی تھی۔ اتنے سال۔۔۔۔۔ اتنے سال میں خاموش رہا ہوں نوال، اس لیے نہیں کیونکہ مجھے تم سے لگاؤ تھا یا تم سے ہمدردی تھی۔ میں نے تم سے یہ شادی کی ہے ناں تو بس تمہارے باپ کے مجھ پر احسانات کے قرض کی وجہ سے!"

نوال آنکھیں پھاڑے اشفاق کو دیکھنے لگی۔

"تمہارے باپ نے ہم چچا بھتیجے کے رشتے کا ایک پل میں سودا کیا تھا نوال بیگم! جب میں تمہیں لے کر گھر واپس آیا تو انہوں نے بعد میں مجھے بٹھا کر وہ سب احسانات گنوائے جو انہوں نے مجھ پر اور

میری بہن پر کیے تھے۔ وہ سب احسانات جو حق سمجھ کر میں لیتا رہا، اس دن مجھے بتایا گیا وہ سب تو بس ایک قرض تھا۔ بس ایک قرض! اور اس دن مجھ سے ادائیگی مانگی گئی۔ میں ہمیشہ سے خود دار تھا۔ کسی کا ایک روپیہ بھی اپنے پاس نہیں رکھتا تھا۔ اسی لیے میں نے تم سے شادی کی۔ سوچا تھا شروع میں ہی تمہیں یہ سب بتا دوں گا۔ تمہیں بتا دوں گا تمہارے باپ نے تمہارا بس سودا کیا تھا۔ تمہیں پل پل اذیت دوں گا لیکن پھر!"

اشفاق صاحب لمحے بھر کو رکے۔

"پھر میرے دل میں رحم آگیا۔ تمہارے ماں باپ نے بھی جب میں ان کا قرض دار تھا تب اچھا سلوک رکھا تھا تو اب کیا میں یہ قرض برے رویے سے لوٹا کر پورا قرض واقعی میں دے دوں گا؟ اسی سوچ نے میری زبان ہمیشہ بند کرا دئی رکھی۔ شادی کی پہلی رات اور عالیہ کے بھاگنے کی رات کے علاوہ میں نے کبھی بھی تمہارے بھاگنے کا تذکرہ نہیں چھیڑا ورنہ دل تو چاہتا تھا سر راہ اس قصے کو اچھالوں۔"

"جب اتنے سال خاموش رہ ہی لیے تھے تو پھر اب کیوں؟ اب کیوں میری اولاد کے سامنے آپ نے میرا پردہ اٹھایا؟" نوال نے شکوہ کیا۔

"کیونکہ اس سے پہلے کبھی رونی ہماری ازدواجی رشتے میں یوں بیچ میں نہیں آیا تھا۔ کیا میں نہیں جانتا آپ آج کل کس طرح اس کی محبت کا دم بھر رہی ہیں۔ کیا میں نہیں جانتا آپ پرانے گھر جا کر سارا دن اس کا سوگ منا کر آئی ہے؟" اشفاق سیدھا ان کی آنکھوں میں دیکھ رہے تھے۔ نوال نے بے اختیار نظریں چرائی۔

اشفاق کے چہرے پر ایک تلخ مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"نوال بیگم، ہم نے اپنا بچپن، اپنی جوانی اور اپنا بڑھاپا ساتھ گزارا ہے۔ آپ کے چہرے پر ابھرتے تاثرات پڑھ لیتا ہوں۔ جیسے ہی آپ گھر واپس آئی آپ کو دیکھ کر جان گیا آپ وہاں سے ماتم کر کے آئی ہیں۔ میں آج آپ کی بیٹی کے سامنے یہ سب ہرگز نہیں بولتا اگر آپ کے چہرے کے تاثرات میں پڑھ نہ لیتا۔ پہلے آپ شرم، حیا یا جانے کس وجہ سے یہ تاثرات چھپا لیا کرتی تھیں لیکن آج تو آپ نے انہیں بھی چھپانے کی کوشش نہیں کی۔ اگر آپ اپنے جذبات چھپاتے چھپاتے تھک گئی ہے تو میں کیوں بوجھ دل میں رکھوں۔ عزاہ!"

عزاہ جو خاموشی اور حیرانی سے یہ سب کچھ سن رہی تھی اس کے درمیان میں اپنا نام سن کر چونک اٹھی۔

"جی بابا!"

"تم جاننا چاہو گی تمہاری ماں نے اپنی جوانی میں کیا گل کھلائے ہیں؟ اس نے اپنے باپ کو کتنا رسوا کیا تھا؟"

اشفاق صاحب شعلہ بار لہجے میں پوچھ رہے تھے۔

عزاہ اپنے باپ کے کمزور چہرے کو دیکھتی رہی پھر بے اختیار اس کی گردن نفی میں گھمی۔

"نہیں بابا!"

اشفاق صاحب کے چہرے پر استہزایہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"دیکھا تم سے زیادہ تمہاری بیٹی میں حیا ہے۔ کتنی گری ہوئی عورت ہو تم نوال! تم نے۔۔۔"

"میں نے اس لیے منع نہیں کیا کہ میں اپنی ماں کے ماضی سے حیا کر رہی ہوں۔" عزازہ نے ایک دم ان کی بات کاٹی۔ اشفاق جو بولے جا رہے تھے اپنی بیٹی کے منہ سے یہ بات سن کر ان کی زبان پر یکدم تالا پڑا۔

"میری ماں کے ماضی کو میں نہیں جانتی ہوں۔ میں نہیں جانتی ہوں کہ میری ماں نے گناہ کیا یا ان پر بہتان لگا۔ میں نہیں جانتی وہ کیا حالات تھے جب میرے نانا نے میری ماں کا نکاح آپ سے کروایا اور نہ ہی میں یہ سب جاننا چاہتی ہوں۔ میری ماں نے جو بھی کیا، جیسا بھی کیا، اگر گناہ کیا بھی تو اللہ نے اسے معاف کیا یا نہیں کیا مجھے اس سے سروکار نہیں ہے۔ ہاں مگر میں اس پردے کو چاک نہیں ہونے دوں گی جو اللہ نے میری ماں اور میرے درمیان ڈال دیا ہے۔ آپ سے بھی یہی کہوں گی کہ اس پردے کو چاک نہ کریں۔ جو کچھ بھی ہوا اسے پردے میں رہنے دیں۔ یوں پردہ چاک کرنے سے میری ماں میری نظروں میں نہیں گرے گی لیکن میرا باپ ضرور گر جائے گا جس نے یہ پردہ ہم دونوں کے درمیان سے ہٹایا۔" یہ کہہ کر عزازہ نے اپنا موبائل ٹیبل پر سے اٹھایا۔

"چلتی ہوں اماں۔ اپنا خیال رکھیے گا۔" وہ مڑی اور اپنے باپ کو دیکھا۔ "خدا حافظ بابا!"

یہ کہہ کر وہ آہستہ اور محتاط قدم اٹھاتی باہر چلی گئی جبکہ کمرے میں موجود ایک دوسرے کا چہرہ دیکھتے رہ گئے۔ ان کی بیٹی انہیں کیا کہہ کر چلی گئی تھی۔

شام کے اندھیرے ہر سو پھیل رہے تھے۔ ایسے میں اگر ہم ایک بازار کے اندر جھانکیں تو یہاں پر بے حد رش تھا۔ ایسا لگتا تھا لوگوں کا سیلاب اس بازار میں آگیا تھا۔

ایسے میں ہم لوگوں کی ٹکروں اور دھکوں سے بچتے ہوئے ہم راستہ بناتے گزریں تو یہاں پر ہمیں جانی یا نہ اور نائلہ شاپنگ کرتے ہوئے ملیں گی۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں کپڑوں اور جیولری کے تھیلے تھے۔

شاپنگ پر جانے کا پلان نائلہ کا تھا۔ اس کے خاندان میں شادی تھی۔ وہ اسی کی تیاری کے لیے جانی یا نہ کو اپنے ساتھ بازار لے آئی تھی۔ ٹیوشن سینٹر سے جلدی چھٹی لینے کے بعد دونوں مسلسل دو گھنٹے سے چلے جا رہے تھے۔

ابھی وہ دونوں چوڑیوں کے ٹھیلے کے سامنے کھڑے بحث کر رہے تھے۔

"بھائی اتنا زیادہ کیوں لگا رہے ہو کانچ کی تو چوڑی ہے۔" نائلہ نے تنک کر کہا۔

"باجی مہنگائی ہی اتنی ہو گئی ہے۔ بندہ کیا کرے؟" ٹھیلے والا اپنے آپ کو معصوم ثابت کرنا چاہتا تھا۔

"مانتی ہوں مہنگائی ہو گئی ہے لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کانچ کی چوڑی کی قیمت سونے کی چوڑی سے بھی زیادہ کر دو۔" نائلہ کے تیکھے لہجے پر دوکاندار بھی تمللا گیا۔

"باجی ہم تو اتنے میں ہی بیچتے ہیں۔ لینا ہے آپ نے تو لے لو ورنہ آپ کی اپنی مرضی ہے۔"

جانی یا نہ کو بے اختیار شرمندگی ہوئی۔ وہ مال سے شاپنگ کیا کرتی تھی۔ دوکان داروں سے یوں بحث کرنا، ان کا یوں بد تمیزی سے بات کرنا اسے برا لگ رہا تھا۔ وہ خفت سے اپنا چہرہ گھما گئی جبکہ نائلہ کوئی

اثر لیے بغیر ابھی بھی بحث میں مگن تھی۔ اسی میں اسے فیروزی رنگ کی چوڑیاں دکھائی دی جو اسٹال پر کچھ پیچھے پڑی ہوئی تھی۔

جائی یانہ کی آنکھوں کو چوڑیوں کا یہ رنگ خاصا بھلا محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے ٹھیلے والے کے ساتھ کام کرتے لڑکے کو بلایا۔

"سنو! یہ اس کی بارہ چوڑیاں نکالنا۔" اس نے فیروزی رنگ کی چوڑیوں کی جانب اشارہ کیا۔

لڑکے نے سر اثبات میں ہلایا اور جس ڈنڈے میں چوڑیاں لٹکی ہوئی تھی اسے اٹھا کر بارہ چوڑیاں باہر نکالی۔

"یہ لیں باجی!" جائی یانہ چوڑیاں پکڑنے کے لیے ہاتھ بڑھاتی اسی وقت کسی اور ہاتھ نے ان چوڑیوں کو تھام لیا۔

"کتنے کی ہے؟" مردانہ آواز نائلہ اور ٹھیلے کے مالک تک بھی پہنچی تھی۔ ان دونوں نے بھی گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ نارمل تاثرات کے ساتھ وہ جائی یانہ کی دائیں طرف کھڑا تھا۔ پینٹ شرٹ پہنے، اس نے اپنے گھنگھرالے بالوں کو پی کیپ سے چھپانے کی ناکام کوشش کی تھی۔

لڑکے نے آرام سے پیسے بتائے۔ زید نے سر ہلایا اور اپنی پینٹ میں سے پیسے نکال لڑکے کو دیے۔ جائی یانہ اس قدر شاک میں تھی کہ زید کی اس حرکت کو محسوس ہی نہ کر پائی۔

پیسے دے دینے کے بعد زید نے چوڑیاں پیک نہیں کروائی بلکہ جائی یانہ کا ہاتھ تھام کر چوڑیاں پہنانے لگا۔

"تم سچ سچ بتاؤ تم مجھے اسٹاک کر رہے ہوں ناں!" اس کی توجہ زید کی چوڑیاں پہنانے کی طرف نہیں تھی۔ وہ ابھی بھی بے یقینی کا شکار تھی۔

زید صرف مسکرایا کہا اس نے کچھ نہیں! جائی یانہ کا شک مزید بڑھ گیا۔

"خاموش کیوں ہو؟ مجھے بتاؤ تمہیں کیسے پتہ چلا میں نانلہ کے ساتھ بازار آئی ہوں۔" جائی یانہ نے اپنا ہاتھ زید کے ہاتھوں سے کھینچنا چاہا۔ زید ابھی بھی چوڑیاں پہنا رہا تھا۔ اس کے اچانک ہاتھ کھینچنے سے ایک چوڑی ٹوٹ گئی۔ زید نے بروقت جائی یانہ کے ہاتھ کو مضبوطی سے تھام لیا ورنہ مزید چوڑیاں ٹوٹنے کا اندیشہ تھا۔

"آرام سے! اگر یہ ٹوٹی ہوئی چوڑی آپ کی کلائی پر لگ جاتی تو؟" زید نے دھیمے انداز میں اسے ڈانٹا۔ زید نے نظر ابھی بھی جائی یانہ کی کلائی پر جمائی ہوئی تھی۔ اسے غور سے دیکھنے پر بھی ایک خراش دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ اسے کچھ سکون ملا۔

"مجھے کچھ نہیں پتہ مجھے بتاؤ تمہیں کیسے پتہ چلا میں یہاں ہوں۔ کل بھی تم نے مجھے بس میں ڈھونڈ لیا تھا اور آج بھی! یہ سب اتفاق نہیں ہے۔" جائی یانہ کا انداز ضدی بچے جیسا تھا۔

"جی بالکل! یہ اتفاق نہیں ہے۔ ہے نانلہ!" اس نے جائی یانہ کے ایک ہاتھ میں چوڑیاں پہنا دی تو اسے چھوڑ کر دوسرا ہاتھ پکڑ کر پہنانے لگا جبکہ نانلہ یوں اپنا ذکر سن کر ایک پل کے لیے گڑبڑائی۔

"کیا؟"

زید نے توجہ نہیں دی اور اپنی رو میں بولے گیا۔

"نائلہ نے ہی مجھے بتایا کہ آپ لوگ شاپنگ پر گئے ہیں تو میں نے سوچا آپ کو تنہا کیوں چھوڑوں؟ میں بھی آگیا۔" جائی یانہ نے گردن موڑ کر اپنی دوست کو دیکھا۔ نائلہ جس کے چہرے پر خود بے یقینی چھائی ہوئی تھی جائی یانہ کو یوں دیکھتا پا کر اس کا سر بے اختیار اثبات میں ہل گیا۔

جائی یانہ پر سکون ہوگئی۔

"اگر شاپنگ ہوگئی ہے آپ دونوں کی تو ہمیں شاید گھر چلنا چاہیے۔" چوڑیاں پہنا دینے کے بعد زید نے ان دونوں کو دیکھتے ہوئے حکم جاری کیا۔

"ابھی نہیں ابھی تو نائلہ کو جیولری بھی لینی۔" جائی یانہ اپنی بات مکمل کرتی اس سے پہلے ہی نائلہ نے بات کاٹ دی

"نہیں جائی یانہ میں بعد میں لے لوں گی۔ مجھے لگتا ہے واقعی میں ہمیں گھر جانا چاہیے۔" اس کی نظریں زید پر گئیں۔ زید نے بے اختیار چہرہ گھمایا۔

"چلیں!" یہ کہتے ہوئے وہ ان دونوں سے آگے چلنے لگا جبکہ جائی یانہ اور نائلہ اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔ وہ لوگ ٹھیلے والے سے کچھ دور گئے تو ایک دم سے وہ رکا اور پیچھے مڑ کر جائی یانہ کے سامنے ہاتھ پھیلا دیا۔

"آپ موبائل دے سکتی ہے؟"

جائی یانہ نے سر اثبات میں ہلایا اور موبائل نکال کر زید کو دے دیا۔ اس نے پوچھنے کی زحمت بھی نہیں کی کہ زید کو موبائل چاہیے کیوں؟

اس کے بعد وہ لوگ دوبارہ چلنے لگ گئے۔

جب وہ لوگ بازار سے باہر سڑک پر نکل گئے تو انہوں نے رکشہ کروایا اور اس پر بیٹھ گئے۔ پہلے انہوں نے جائی یانہ کے ہاسٹل کا ایڈریس دیا۔ اس کے بعد رکشہ اس منزل کی جانب گامزن ہو گیا۔ وہ لوگ کچھ اس طرح بیٹھے تھے کہ جائی یانہ اور نائلہ ساتھ بیٹھی تھیں جبکہ زید جائی یانہ کے بالکل سامنے بیٹھا تھا۔

"تمہارا ہاتھ ٹھیک ہے؟" جائی یانہ نے گفتگو برائے گفتگو پوچھا۔
"جی!!"

"پھر کل تم دوکان چلے جاؤ گے نا؟"

"میں نے دوکان چھوڑ دی ہے۔" زید نے بڑے آرام سے اس کے سر پر دھماکہ پھوڑا۔

"کیا؟" جائی یانہ آگے کو ہوئی۔ "لیکن کیوں؟"

"دوکان میرا بہت سا وقت کھا جاتی تھی۔ ساتھ ساتھ یونیورسٹی میں بھی میں ریگولر نہیں جا پا رہا تھا۔ اس لیے میں نے فری لانسنگ کرنے کا سوچا ہے۔ میں نے کچھ کورسز بہت عرصے پہلے ہی کر لیے تھے مگر اس وقت میرے پاس لیپ ٹاپ نہیں تھا لیکن اب میں نے ادھار لے کر ایک سیکنڈ ہینڈ لیپ ٹاپ خرید لیا ہے۔ یوں میری مرضی ہوگی جس وقت چاہوں کام کر سکتا ہوں۔"

"امم ہم!" جائی یانہ نے سمجھتے ہوئے ہنکارا بھرا۔

تھوڑی دیر کے لیے خاموشی چھائی پھر اچانک زید بولا۔

"میں نے آریان کے گھر کا ایڈریس نکال لیا ہے۔ آپ لوگ صحیح کہہ رہے تھے جس جگہ اس نے اپنا محل تعمیر کیا ہوا ہے وہ علاقہ خاصا پسماندہ ہے۔"

جائی یانہ کی دلچسپی بڑھ گئی۔ اس کی آنکھیں بے اختیار چمکیں۔

"واقعی میں! ایڈریس مجھے سینڈ کرو۔"

"بالکل نہیں!" زید نے صاف انکار کر دیا۔ "میں آپ جیسی جذباتی لڑکی کو ہرگز ایڈریس نہیں پکڑا سکتا ہوں جو جوش میں ہوش کھو بیٹھتی ہے۔ کیا پتہ ادھر میں نے آپ کو ایڈریس پکڑایا اور ادھر آپ مجھے آریان کے گھر کے دروازے پر کھڑی دروازہ کھٹکھٹاتی ہوئی ملیں گی اور جیسے ہی آریان دروازہ کھولے گا آپ اس کے منہ پر تھپڑ مار کر کہہ دیں گی میری بہن مجھے واپس کرو۔"

"میں ایسی بیوقوفی نہیں کروں گی۔" جائی یانہ کا چہرہ خفت سے لال ہو گیا۔

"جی جی آپ ایسی بیوقوفی تھوڑی کریں گی۔ آپ تو سوچ سمجھ کر اس سے بھی بڑی حماقت کریں گی۔ اس لیے جب تک آپ لوگ مجھ پلان میں نہیں گھسائیں گی میں آپ کو ایڈریس نہیں دوں گا۔"

"زید یہ بلیک میلنگ ہے!" جائی یانہ نے احتجاج کیا۔

"بالکل ہے!" زید نے آرام سے سر ہلا کر تصدیق کی۔

رکشہ رک گیا۔ جائی یانہ اپنی منزل پر پہنچ چکی تھی۔ زید نے جائی یانہ کا موبائل اپنی پینٹ کی جیب سے نکال کر اسے تھمایا اور بولا۔

"اپنی بہن سے بات کر لیجیے گا۔ مجھے امید ہے وہ آپ سے زیادہ سمجھدار ہونگی اور میری بات سمجھیں گی۔"

جائی یا نہ منہ پھلائے اس کی بات کا کوئی جواب دیے بغیر چلی گئی۔ زید اسے جاتا ہوا دیکھتا رہا۔ رکشہ کچھ آگے بڑھ گیا۔ منظر یہی پر ختم نہیں ہوا لیکن ہم اس حصے کو تھوڑا سا ملتوی کر کے آگے بڑھ جاتے ہیں۔

رات کی سیاہی آسمان پر چھا چکی تھی۔ چاند آج بادلوں کی اوٹ میں چھپا ہوا تھا۔ مصنوعی روشنیوں سے روشن اس شہر کا سفر کر کے ایک گھر میں داخل ہو تو اس میں ایک سنہری آنکھوں والی لڑکی الماری کے ساتھ لگی باتیں کر رہی تھی۔

"جائی یا نہ! تمہارا شوہر آخر چاہتا کیا ہے۔ ہمارے اچھے بھلے پلان میں وہ کیوں مداخلت کر رہا ہے؟" عزاء کے لہجے میں دبا دبا غصہ تھا۔ اس کی آواز بہت مدہم تھی۔

"بجو! مجھے بھی نہیں پتہ اس کا مسئلہ کیا ہے۔ وہ مجھے کہہ رہا ہے وہ مجھے اکیلے ان سب مسائل میں جانے نہیں دے گا۔ وہ میرے ساتھ ہی ادھر جائے گا۔"

عزاء نے اس کی بات سن کر تیوریاں چڑھائی۔

"تم دونوں کی کونسی رومیو جولیٹ کی کہانی چل رہی ہے۔ اپنے شوہر سے کہو اپنا رومنس ایک جگہ چھوڑ دیں۔ ہماری بڑی بہن اس وقت اکیلی ہے اور تم ہو کہ تم اپنے شوہر کے ساتھ ہی عیاشیوں میں لگی

ہوئی ہو۔ اگر وہ تمہیں ایڈریس نہیں دے رہا، تو کسی اور سے لے لو مگر زید کو اس سب میں نہ ملاؤں۔ ہم نہیں جانتے وہ ہمارے ساتھ وفادار ہے یا آریان کے ساتھ!"

"وہ میرے ساتھ وفادار ہے!" جائی یانہ کو عزازہ کی باتیں ناگوار لگ رہی تھیں۔ وہ زید کے ساتھ آخر کونسی عیاشیاں کر رہی تھیں۔

"تمہیں جیسے بہت پتہ ہے ناں! اپنے شوہر کو ایک سائیڈ پر کرو اور جلدی سے عالیہ کا پتہ نکلواؤ۔" جائی یانہ اس سے پہلے کچھ کہہ پاتی، دوسری طرف سے کال کاٹ دی گئی۔ جائی یانہ کلس کر رہ گئی۔ جب کہ دوسری طرف عزازہ اپنے چھوٹے موبائل کو الماری میں چھپاتے ہوئے ناگواری سے اپنا سر جھٹک رہی تھیں۔

اس نے ایک کام دیا تھا جائی یانہ کو، وہ بھی وہ صحیح سے نہیں کر رہی تھیں۔

اسی وقت عزازہ کو دروازے سے کسی کے آنے کی آواز آئی۔ اس کے چہرے پر چھائی ناگواری یکدم گھبراہٹ اور پریشانی میں بدل گئی۔ موبائل صحیح سے چھپالینے کے بعد اس نے ایک نظر پھر الماری کو دیکھا پھر اس کا پٹ بند کر کے کمرے میں چلی گئی۔

اسے اپنے سامنے شایان دکھائی دیا۔ وہ بیڈ پر بیٹھا اپنے جوتوں کے تسمے کھول رہا تھا۔ اسے ایک عام سی نظر دیکھ کر وہ دوبارہ اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔ عزازہ اپنی جگہ کھڑی اسے یوں ہی دیکھتی رہی۔

جب سے عزاء کو یہ خوشخبری ملی تھی تب ہی سے شایان اور اس کے درمیان خاموشی کی دیوار حائل ہو گئی تھی اور عزاء کو یہ خاموشی بری طرح چبھ رہی تھی۔ اسے اس سے بہتر تو شایان کا غصہ لگتا تھا وہ بولتا تھا تو پتہ تو ہوتا تھا نا اس کے دل میں کیا ہے لیکن یہ خاموشی تو سب کچھ چھپائے ہوئے تھی۔

عزاء کی سوچوں کا تسلسل باتھ روم کا دروازہ زور سے بند ہونے کی وجہ سے ٹوٹا تھا۔ اس نے چونک کر دیکھا۔ شایان باتھ روم جا چکا تھا اور اس کی نظروں کی سمت ابھی بھی بیڈ کی اس طرف تھی جہاں وہ کچھ دیر پہلے تھا۔

اس نے سر تاسف سے نفی میں ہلایا اور کمرے کے باہر چلی گئی۔

اسلام آباد کی ایک مصروف سڑک پر ان کی گاڑی رواں دواں تھی۔ ڈرائیور آرام سے گاڑی چلا رہا تھا جبکہ زینب خاموشی سے اپنے ساتھ بیٹھے اپنے دونوں بچوں کو دیکھ رہی تھی جو بہت گم صم دکھائی دیتے تھے۔ وہ بچوں کی کیفیت کو سمجھ سکتی تھی۔ وہ سب ہی ایک مشکل وقت سے گزر رہے تھے۔

اس رات کے بعد زینب کے گھر سے سکون خارج ہو گیا تھا۔ زینب کو اس رات کے بعد ہر چیز سے خوف آنے لگ گیا تھا۔ وہ جب بھی سوتی اسے وہی منظر خواب میں دکھائی دیتے، وہ خوف و ہراس میں نیند سے جاگ کر چیختی چلاتی اور بہت دیر تک اپنے کمرے میں بند رہتی۔ کچھ ہوش میں آنے کے بعد جب وہ سوچتی وہ کیا کرتی ہے تو اسے بے اختیار اپنے بچوں پر ترس آتا۔ پہلے وہ حادثہ کیا کم تھا جو اب اس کی یہ حالت مزید بچوں کو پریشان کرنے لگ گئی تھی۔

وہ کراچی جہاں اس نے اپنے بہت سے سال لگا دیے تھے یکدم سے اسے غیر محفوظ لگنے لگ گیا تھا اسی ذہنی رو میں اس نے ایک فیصلہ کیا۔ اس نے کراچی سے اپنا سارا کام ختم کر کے واپس اسلام آباد جانے کا سوچ لیا۔ وہ جانتی تھی اشفاق کا دل کبھی اس کے لیے نہیں پچھلے گا مگر جب وہ انہیں یہ حادثہ سنائے گی تو اور کچھ نہیں تو وہ ان کا محافظ تو ضرور بنے گا۔

اشفاق بے حس ضرور تھے لیکن بے غیرت نہیں! توقع کے عین مطابق جب زینب نے اپنی ساری کہانی انہیں سنائی اور واپس آنے کا بتایا تو اشفاق ان کی مدد کے لیے تیار ہو گئے۔ ساتھ ساتھ انہوں نے ام ہانی اور اسے پرانے گھر میں جو ان دونوں کا حصہ نکلتا تھا وہ بھی دے دیا۔

وہ رقم اتنی تھی کہ زینب اپنی سیونگنز کے ساتھ اسے ملا کر اپنا گھر تھوڑی سی کھینچا تانی سے خرید سکتی تھی۔ زینب نے اسلام آباد آنے سے پہلے ہی گھر خرید لیا اور یوں اس کے پاس ایک ٹھکانہ بھی ہو گیا۔

اسلام آباد وہ عمر کی موت کے بعد بس ایک بار آئی تھی۔ اسے ایک ایویٹ میں فوٹو گرافر بننے کے لیے اس کی ایجنسی والوں نے بھیجا تھا۔ اس میں بھی وہ اشفاق کے گھر نہیں گئی تھی۔ ان دنوں نوال کے ہاں تیسری بیٹی ہوئی تھی۔ اس لیے اشفاق اور نوال ہسپتال میں ہی تھے۔ پھپھو ہونے کے ناطے وہ بھی رسماً نوال کا حال پوچھنے بس ہسپتال سے ہی ہو آئی تھی۔

اشفاق کے حالات بھی بدل گئے تھے۔ انہوں نے ایک بزنس اسٹارٹ کیا تھا جو انہیں بہت منافع دے رہا تھا۔ انہوں نے پرانے محلے والا گھر چھوڑ دیا تھا اور ایک اچھے علاقے میں بنگلہ خرید لیا تھا۔ زینب کے پاس اس وقت بس اتنی معلومات تھیں۔

وہ کچھ کچھ کراچی چھوڑ کے جانے پر اداس بھی تھی۔ اتنے عرصے کراچی رہنے کے بعد اسلام آباد جانا نہ چاہتے ہوئے بھی برا لگ رہا تھا۔ اس جگہ اس کے دونوں بچوں نے ایک ساتھ بچپن جیا تھا۔ ان دونوں بچوں کی یہاں سے یادیں جڑی تھیں۔

زینب جانتی تھی بچے یہاں سے جانے کے فیصلے پر مزاحمت ضرور کریں گے۔ نمرہ نے تو تھوڑی بہت بحث کے بعد زینب کا فیصلہ مان لیا تھا مگر شایان نے باقاعدہ جھگڑا کیا تھا۔ یہ پہلی دفعہ تھا جب زینب اور شایان کے درمیان تلخ کلامی ہوئی تھی ورنہ تو شایان کبھی اونچی آواز میں بھی زینب سے بات نہیں کرتا تھا۔ اسے یوں اس فیصلے سے مخالفت کرتا دیکھ کر زینب کچھ دیر کے لیے شاک میں گئی پھر اس نے حتی طور پر اپنا فیصلہ سنا دیا۔

شایان کو چارو ناچار ماں کا فیصلہ ماننا ہی پڑا۔

اشفاق کے گھر پہنچ کر جب اس نے بہت سالوں بعد اپنے سامنے نوال کو دیکھا تو یکدم انہیں بہت کچھ یاد آیا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے گلے لگ گئیں۔

زینب عالیہ اور عزازہ دونوں سے بھی ملی۔ دونوں ہی بچیاں انہیں اچھی لگی تھیں جبکہ جائی یا نہ ابھی نوال کی گود میں ہی تھی۔ وہ بمشکل ایک دو قدم چلنا ہی سیکھی تھی۔

ایک دن اشفاق کے گھر رکنے کے بعد وہ لوگ اس گھر چلے گئے جو گھر زینب نے خریدا تھا۔ تھوڑی بہت ناراضگی کے بعد شایان اور نمرہ کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ زینب نے یہاں پر بھی نوکری شروع کر دی تھی اور اپنے بچوں کا ایڈمیشن وہی کروا دیا جہاں اشفاق کی بچیاں پڑھا کرتی تھیں۔

آہستہ آہستہ سب کچھ نارمل ہونے لگ گیا تھا۔ بد قسمتی سے زینب کا رات کے وقت چیخنا چلانا بھی معمول بن گیا تھا۔ اس کے بچوں کی پریشانی اب معمول بن گئی تھی۔
زندگی یونہی چل رہی تھی۔

رات کا کھانا سب نے ساتھ کھا لیا تھا۔ اب سب اپنے اپنے کمروں میں سو رہے تھے ایسے میں اگر ایک شخص کے پاس آؤ تو وہ نیند کی حالت میں بھی خوف زدہ دکھائی دیتا تھا۔ وہ بار بار اپنے ہاتھ پاؤں ہلا رہا تھا۔ وہ کوئی برا خواب دیکھ رہا تھا پھر شاید کچھ ہوا۔

وہ یکدم اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے تین لمبی لمبی سانسیں لی۔ اس کی سیاہ آنکھوں میں ابھی بھی خوف و ہراس پایا جاسکتا تھا۔ اس نے ایک نظر اپنے ساتھ لیٹی بیوی کو دیکھا جو اس سے بے نیاز خواب خرگوش میں مگن تھی۔ اس نے ایک آسودہ سانس نکالی اور دوبارہ لیٹ گیا۔

اس نے وہی رات دیکھی تھی جس میں اس کی ماں کو اس کے سامنے زیادتی کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ اسے اس دن کی بے بسی آج تک یاد تھی جب وہ اپنی ماں کے لیے جانا چاہتا تھا مگر اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اسے مجبور کیا گیا کہ وہ یہ سب دیکھیں۔ کہنے کو شایان ایک مرد تھا مگر جب بھی وہ اس دن کے بارے میں سوچتا اسے اپنا مرد ہونا ایک گالی لگتا۔ کیا فائدہ اس کی ماں کے پاس ایک بیٹا ہونے کا، جب ان کا بیٹا مشکل وقت میں انہیں بچا ہی نہ پایا ہو۔

اس دن کے بعد سے کچھ بھی ویسا نہ رہا تھا۔ اس ایک دن کے بعد سے اسے ہر چیز پر غصہ آنے لگا۔ وہ اپنا غصہ نکالتا بھی بہت تھا۔ وہ شایان جو اپنے اسکول میں ہنس مکھ مشہور تھا۔ اب وہی شایان ایک جھگڑالو لڑکا بن گیا تھا۔ وہ کسی کے ساتھ بھی اچھے سے نہیں رہ پایا۔ ماں کو جب بھی وہ دیکھتا تو اس کے دل میں احساس جرم سر اٹھالیتا اور بہن کو وہ اپنی جاگیر سمجھنے لگا۔ اسے کبھی بھی یاد نہیں پڑتا تھا اس نے کب نمبرہ سے ہنس کر بات کی تھی۔ شاید اس حادثے سے پہلے ہی وہ دونوں کھل کر کھیلا کرتے تھے۔ اس کے بعد سے تو ان دونوں کا بانڈ ہی ختم ہو گیا۔ ایک عالیہ کے لیے جو دل نرم پڑ جاتا تھا اسے عالیہ کی بے وفائی نے بری طرح توڑ دیا تھا اور بیوی؟ بیوی اس کے لیے کوئی خاص اہمیت اب رکھتی ہی نہیں تھی۔

دنیا کہتی ہے وہ بس ایک حادثہ تھا۔ اگر کوئی یہ حادثہ سنتا تو یقیناً زینب کو ہی وکٹم مانتا مگر نہیں زینب اکیلی وکٹم نہیں تھی۔ وہ بھی وکٹم تھا جس نے یہ سب دیکھا تھا۔ وہ بھی ایک وکٹم تھا۔ اس نے اپنا ذہن اس بات سے ہٹا کر کسی اور طرف لانے کی کوشش کی۔ تھوڑی دیر بعد وہ کامیاب ہو گیا اور نیند اس پر مہربان ہو گئی۔

اس کی ساری توجہ کلاس میں لیکچر دیتے پروفیسر کی جانب تھی۔ وہ اپنے ساتھ بیٹھے زید کو بالکل نظر انداز کیے ہوئے تھی۔ زید بڑی سی مسکراہٹ لیے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ جب بھی اس کے ساتھ ہوتی تھی کسی دوسری جانب اس کی کم ہی توجہ جاتی تھی۔ وہ بس خاموشی سے اپنے ساتھ بیٹھی اس لڑکی کو

دیکھے جانا چاہتا تھا۔ چاہے صدیاں ہی کیوں نہ گزر جائے۔ اسے یقین تھا وہ صدیوں بعد بھی اسی انہماک اور توجہ سے اس لڑکی کو دیکھ سکتا تھا۔

کلاس ختم ہونے کے بعد جب جانی یا نہ اپنا سامان سمیٹنے لگ گئی تو زید نے اسے پکارا۔
"بیگم صاحبہ!"

جانی یا نہ نے کچھ نہیں کہا۔ سپاٹ تاثرات کے ساتھ وہ یونہی اپنا سامان سمیٹتی رہی۔ سامان سمیٹنے کے بعد وہ کھڑی ہونے لگی جب زید نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے روکا۔

"اچھا ناں بات تو کر لیں۔ ناراضگی آپ کی میرے ساتھ ہے۔ اپنی زبان کے ساتھ تھوڑی جو آپ اسے استعمال ہی نہیں کر رہی ہیں۔" زید نے اسے چڑانا چاہا۔

جانی یا نہ نے ایک سرد نظر اس پر ڈالی۔

"میری کوئی بات مانتے ہو جو میں تم سے بات کروں؟"

"میں آپ کی بات نہیں مانتا ہوں، میں زید رحیم آپ کی کوئی بات نہیں مانتا ہوں؟" زید نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھتے بولا۔

"میرے دوستوں نے میرا نام زن مرید رکھ دی ہے۔ سب کہتے ہیں آپ نے مجھ پر کالا جادو کر دیا ہے اس لیے میں آپ کے سحر میں پوری طرح جکڑ گیا ہوں۔ ان کے نزدیک میں آپ کے علاوہ کسی بارے میں بات ہی نہیں کرتا ہوں اور آپ کہتی ہے میں آپ کی بات نہیں مانتا ہوں۔"

"ہاں تو نہیں مانتے ہو۔" اس نے اپنا ہاتھ زید سے چھڑوایا اور چہرہ دوسری جانب کر لیا۔ وہ کچھ بولے بغیر بھی صاف صاف کہہ رہی تھی زید صاحب مجھے مناؤ۔

"کونسی بات نہیں مانی میں نے آپ کی؟"

"ایڈریس والی!"

"ہاں تو اس کے علاوہ تو سب کچھ مانتا ہوں نا!"

"ایڈریس والی تو نہیں مانتے ہو نا!" جائی یانہ دو بدو اسے جواب دے رہی تھی۔

زید نے گہری سانس خارج کی۔

"دیکھیں جائی یانہ میں ایڈریس آپ کو اس لیے نہیں دے سکتا ہوں کیونکہ مجھے یقین ہے آپ خود کو کسی مسئلے میں الجھا دیں گی۔ آپ جب تک اپنے پلان میں مجھے شامل نہیں کریں گی میں ہرگز آپ کو ایڈریس نہیں بتاؤں گا۔"

"میری بہن نہیں مان رہی ہے۔" جائی یانہ نے اس موقع پر سچ بتانا ہی بہتر سمجھا۔

"پھر آپ انہیں کہہ دیں آپ بھی ان کی مدد نہیں کر رہی ہیں۔" زید نے آرام سے کہا۔ جائی یانہ یہ بات سن کر ہی کلس اٹھی۔

"میری بڑی بہن اتنے بڑے مسئلے میں پھنسی ہوئی ہے اور تم کہہ رہے ہو میں اپنی بہن کی مدد ہی نہ کروں واہ!"

"کس نے کہا آپ اپنی بڑی بہن کی مدد نہ کریں۔" زید کی بات سن کر جائی یانہ نے اسے ایسے دیکھا جیسے اس کا دماغی توازن بگڑ گیا ہو۔

"آپ چاہیں تو میں آپ کے ساتھ آپ کی مدد کر سکتا ہوں۔ آپ اپنی اس درمیانی بہن کو ہمارے بیچ میں سے نکال دیں۔ سمپل!" زید نے وضاحت کی۔

"وہ نہیں مانیں گی۔" جائی یانہ نے آفر فوراً مسترد کر دی۔

"ایک تو آپ بہنیں بڑی ڈھیٹ ہیں۔ سوئی ایک ہی جگہ اٹک جاتی ہے آپ لوگوں کی۔" زید کا اب اس بحث سے دماغ خراب ہونے لگ گیا تھا۔ پھر اس نے خود کو دوبارہ پر سکون کیا۔

"آپ ایک بار دوبارہ اپنی بہن سے بات کریں۔ مجھے یقین ہے وہ مان جائیں گی۔"

"اچھا!" جائی یانہ بس اتنا ہی بول پائی۔ وہ جانتی تھی کوئی فائدہ نہیں ہے۔

اس کے بعد وہ اگلا لیکچر لینے کے لیے کلاس سے باہر چلی گئی جبکہ زید بیچ پر پیچھے ہو کر بیٹھ گیا اور اپنے پاؤں ڈیسک پر رکھ لیے۔

اب ہم کہانی کے اس کردار کے پاس جاتے ہیں جو اس وقت قید تھا۔ اس کی نظریں اب مایوس ہو چکی تھیں۔ اپنے اغوا کاروں سے رحمہلی کی امید بالکل ختم تھی۔ کوئی مسیحا اسے اس قید سے نکالنے نہیں آیا تھا۔

وہ قید تھی۔ اسے قید ہی رہنا تھا۔ اسے اسی قید میں مرنا تھا۔

یہ تین فقرے اس کے ذہن میں ازبر ہو گئے تھے۔ اسی ذہنی رو میں وہ اپنا کھانا بھی صحیح سے کھا نہیں پا رہی تھی۔ اس کا چہرہ پرانی والی عالیہ کے چہرے سے خاصا بدل گیا تھا۔ چہرے کی جلد کھردری ہو گئی تھی۔ بال روکھے ہو گئے تھے۔ وجہ صحیح سے توجہ نہ دینا تھا۔

اسے اپنی زندگی بالکل ساکن لگنے لگی تھی۔ ایسے جیسے زندگی میں سب کچھ ختم ہو گیا ہو۔ وہ لاشعوری طور پر اب موت کا انتظار کرنے لگ گئی تھی۔ ایک موت ہی تھی جو اسے اس عذاب سے نکال سکتی تھی۔ باقی سب کچھ تو ختم ہو گیا تھا۔ سب کچھ!

وہ یونہی بلا وجہ بیٹھے رہنے سے جب تھک گئی تو ٹی وی کے پاس گئی اور اسے چلا لیا۔ ٹی وی پر وہی ڈاکیومنٹری آرہی تھی۔ کشمیریوں پر بنائی ہوئی ڈاکیومنٹری!

وہ چپ چاپ دیکھنے لگی۔ اس کے سامنے بہت سے لوگ آہ و زار کر رہے تھے۔ بچے اپنے خاندانوں کے اجڑنے پر ماتم کر رہے تھے۔

"کیا میرے گھر والے بھی مجھے یاد کرتے ہونگے؟" اس نے مایوسی سے سوچا۔ شاید بلکہ یقیناً نہیں۔ وہ آگے بڑھتی رہی۔ اس نے دیکھا ایک جگہ فائرنگ کا طوفان بھارتی فوج نے ڈال دیا ہے۔ ایسے وقت میں بھی اس کی نگاہ ایک بچے پر گئی جو ایک ماں کی گود میں تھا ماں بچے کو بچانے کے لیے اپنے سینے سے چھپا لیا تھا۔

"کیا میری ماں مجھے اس طرح نہیں بچا سکتی تھی؟" اس نے ایک بار پھر مایوسی سے سوچا۔ "میرے گھر والوں کو تو میری فکر ہی نہیں ہے۔ میں جیوں یا مروں انہیں کوئی فرق نہیں پڑتا ہوگا۔"

"انہیں فرق نہیں پڑتا لیکن کیا تمہیں فرق پڑتا ہے؟" اسے اپنے عقب سے اواز آئی۔ اس نے جھٹکا کھا کر پیچھے دیکھا۔ اس نے جو دیکھا وہ یقین ہی نہیں کر پائی۔ اس کے سامنے اس کا اپنا آپ کھڑا تھا۔ عالیہ اشفاق! اس کے چہرے پر تیکھی مسکراہٹ تھی۔

وہ بالکل عین اس کے سامنے کھڑی تھی۔

"تم!!" اس سے پہلے وہ کچھ پاتی سامنے کھڑی عالیہ نے ہاتھ اوپر کو اٹھایا۔

"بس، پہلے میرے سوال کا جواب دو۔ کیا تمہیں اپنے خاندان کا خیال آیا، ان کی فکر ہوئی؟"

عالیہ کے یہ پوچھنے کی دیر تھی۔ اس کے منہ پر تالے لگ گئے۔ وہ جانتی تھی یہ کچھ نہیں بس اس کی آنکھوں کا دھوکا تھا مگر یہ دھوکا حقیقت سے قریب تر سوالات کر رہا تھا۔

دوسری طرف سامنے کھڑی عالیہ کے چہرے کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

"نہیں نا!" وہ پل بھر کے لیے رکی۔ "تمہیں ان کی فکر نہیں ہوئی حالانکہ نمرہ، مسز جہانگیر اور آریان سب صاف صاف کہہ کر گئے تھے کہ ان کا مقصد پورے خاندان کو تباہ کرنا ہے۔ تمہیں ان کی ایک بار بھی فکر ہوئی جب انہوں نے کہا وہ تمہاری بہنوں کو تباہ کر دیں گے۔ کوئی تو بات ہوئی ہوگی نا جو تمہارے باپ کو ہارٹ اٹیک ہوا ایسے بیٹھے بٹھائے تو کسی کا دل یوں ہاتھوں سے نہیں جاتا ہے۔ تمہیں اس وقت فکر ہوئی تھی؟"

"مجھے ہوئی تھی۔ مجھے میرے بابا کی فکر ہوئی تھی۔" بلاخر وہ بول اٹھی تھی۔

"نہیں!" عالیہ نے گردن اور انگلی دونوں نفی میں ہلائی۔ "تمہیں بالکل بھی فکر نہیں ہوئی تھی۔ تمہیں اگر فکر ہوئی تھی تو بس یہی کہ اگر تمہارا باپ مر گیا تو تمہیں معاف کون کرے گا۔ تمہیں یاد رہا تو بس اتنا ہی رہا۔ یہ یاد نہیں رہا تمہارے باپ کی بیماری پر تمہاری بہنوں نے کس طرح یہ سب سنبھالا ہو گا۔ تمہاری ماں تو ہلکی سی پریشانی پر گھبرا جاتی ہے وہ اتنے بڑے جھٹکے پر کیسے سنبھلی ہوگی۔ تمہیں تو کسی چیز کی فکر نہیں ہوئی ہوگی عالیہ!"

عالیہ کو ایسے لگا اس کے منہ پر کسی نے جوتا دے مارا ہو۔ اتنا تلخ سچ اپنے ہی عکس سے سننا اس پر گڑھوں پانی ڈال رہا تھا۔

"پہلے خود کسی کی فکر کرنا سیکھ جاؤ عالیہ لوگ تمہاری فکر تو کر ہی لیں گے۔"

یہ کہہ کر وہ عکس غائب ہو گیا تھا مگر کیا وہ واقعی غائب ہوا تھا۔ وہ ہنر دق سی اسی جگہ کو دیکھی جا رہی تھی جہاں اس نے اپنا آپ دیکھا تھا۔

پیچھے ٹی وی ابھی بھی چلا ہوا تھا اور سبز ہلالی پرچم میں لپٹے لوگ با آواز بول رہے تھے۔

"اللہ اکبر!"

"اللہ اکبر!"

نیا دن نئی شروعات کا پیام دے رہا تھا مگر ایک لڑکی ایسی بھی تھی جس کا موڈ بری طرح آف تھا۔ اپنی یونیورسٹی کے گراؤنڈ میں بیٹھی وہ اپنی دوست کے ساتھ باتوں میں مگن تھی۔

"میرا دماغ خراب کر دیا ہے ان سب نے۔ بجو کہتی ہے زید کو پلان سے دور رکھو اور زید مجھے ان سب میں اپنے بغیر گھسنے نہیں دے رہا ہے یار! تم بتاؤ میں کیا کروں؟" جائی یانہ نے اتنی بی چارگی سے کہا کہ ایک پل کے لیے تو کالی چادر میں لپٹی لڑکی کو ہنسی بھی آگئی جسے اس نے بمشکل دبایا۔ جائی یانہ نے اس کی یہ کوشش دیکھ لی۔

"ہنس لو بیٹا ہنس لو۔ شادی تو تمہاری بھی ہونی ہے پھر میں تم سے پوچھوں گی جب سسرال والے ایک کام کرنے کو کہے اور میکے والے انکار کر رہے ہو تو بندہ کیسے پھنستا ہے!" جائی یانہ نے جل کر کہا۔

"وہ تمہارا شوہر ہے۔ تم نے تو اسے پورا سسرال ہی بنا دیا۔" نانکھہ ہنس پڑی۔

"تم اسے نہیں جانتی ہو اس لیے کہہ رہی ہو۔ وقت آنے پر وہ ساس، نند، بھانج تمام قسم کے رشتے نبھا لیتا ہے۔" جائی یانہ کا انداز ابھی بھی جلا کٹا تھا۔

پھر وہ ان سب باتوں کو چھوڑ کر دوبارہ پرانے موضوع پر آئی۔

"اچھا اب تم مجھے کوئی حل تو بتاؤ!"

"جائی یانہ!" نانکھہ کا لہجہ اب نرم ہو گیا تھا۔ "میں تمہیں یہی کہوں گی کہ زید جو کہہ رہا ہے اسے مان لو۔ میرا یقین مانو زید جو بھی کرے گا تمہارے بھلے کے لیے ہی کرے گا۔"

"وہ تو کہہ رہا ہے عزاء بجو کو ہی پلان سے نکال دو اب یہ بات میں اس کی کیسے مان لوں۔ اگر میں نے ایسا کیا تو بجو تو میری شکل دیکھنے کی روادار نہیں رہے گی۔"

"جائی یانہ تم کوئی ایسا کام کرو جس سے تمہاری عزاء بجو بھی ناراض نہ ہو اور تم زید کی بات بھی مان لو۔ مجھے یقین ہے تم اتنا کر لو گی۔"

"میں یہ بھی تو کر سکتی ہوں ناں کہ زید بھی ناراض نہ ہو اور بجو کی بات بھی مان لوں۔"

"ہرگز نہیں!" نائلہ اس قدر قطیعت سے بولی کہ ایک پل کے لیے جائی یانہ چونک گئی۔ اس نے غور سے نائلہ کو دیکھا۔ نائلہ بھی سمجھ گئی اس نے کچھ زیادہ ہی اٹل لہجے میں اپنی بات کہہ دی تو وضاحت دینا اس نے ضروری سمجھا۔

"تم زید کی ہی بات مانو جائی یانہ، زید جو بھی کرنے جا رہا ہے تمہارے بھلے کے لیے ہی کرنے جا رہا ہے۔ اس کی بات کو یوں نظر انداز مت کرو۔"

"اچھا!" جائی یانہ نے اس موضوع پر مزید بحث کرنا نامناسب سمجھا۔

کچھ پل خاموشی کے گزرے اس کے بعد نائلہ شوخ انداز میں بولی۔

"ویسے مسز زید آپ کو یاد ہے کل کیا ہے؟"

"ہاں جانتی ہوں!" جائی یانہ نے بے نیاز انداز اپنائے رکھا۔ "کل میری برتھ ڈے ہے۔"

"ہمم ماشاء اللہ سے تو کل پھر خوب سیلبریشن ہو گی۔ ویسے میں تو آج ہی تمہیں پیپی برتھ ڈے کہہ دوں گی۔ ایسا نہ ہو آپ کے شریک حیات کل کسی اور کو آپ کے پاس برداشت ہی نہ کر رہے ہو۔"

"ایسا کچھ نہیں ہو گا۔ اسے تو پتہ بھی نہیں ہو گا۔"

جائی یانہ کی بات سن کر نائلہ نے اس کے کندھے پر معنی خیز ہاتھ مارا جس پر جائی یانہ نے جوابی ہاتھ اس کے کندھے پر مارا۔

"ویسے شادی شدہ لوگوں کی برتھ ڈے کیسے گزرتی ہے۔ مجھے ہمیشہ سے یہی تجسس رہا ہے!" نائلہ ابھی بھی باز نہیں آئی تھی۔

"اگر اتنا ہی شوق ہے تو ایک عدد لڑکے کو پھانس کر کرلو شادی خود ہی پتہ چل جائے گا۔" جواب دینے والی بھی پھر جائی یانہ تھی۔

"تمہیں میری آزادی سے بہت مسئلہ ہے! کیا ہر شادی شدہ عورت کو کنواری لڑکی سے ایسے ہی مسائل ہوتے ہیں۔"

"نہیں دراصل کنواری لڑکیاں شادی شدہ لڑکیوں کو دیکھ کر کمپلیکس کا شکار ہو جاتی ہے۔ اس لیے شادی شدہ لڑکی جو بھی کہے اسے برا ہی لگتا ہے۔" اب ان دونوں کی بحث یونہی جاری رہنی تھی۔

زینب کے گھر میں اگر داخل ہو تو سب معمول کے مطابق چل رہا تھا۔ عزاہ اپنے کمرے میں تھی۔ کرنے کو کچھ بھی نہیں تھا۔ پھپھو اب اسے کسی کام پر ہاتھ لگانے نہیں دے رہی تھیں۔ عالیہ کا مسئلہ بھی ابھی تک وہی تھا۔ اس میں کوئی پیش رفت نہیں ہوئی تھی۔

عزہ کو رہ رہ کر جائی یا نہ پر غصہ آ رہا تھا۔ اسے ایک چھوٹا سا کام اس نے دیا تھا۔ اس پر بھی وہ اتنا وقت لگا رہی تھی۔ شاید اسے وہ کام کرنا ہی نہیں تھا۔ اسی لیے وہ بہانے بنانے میں لگی ہوئی تھی۔

عالیہ بیچاری کب سے آریان جیسے شخص کے ساتھ تھی۔ جانے اس نے اس کا کیا حال کیا ہو گا۔ وہ ان ہی سوچوں میں مگن تھی۔

اسی وقت ملازمہ کمرے کے اندر داخل ہوئی۔

"بی بی جی! بیگم صاحبہ نے آپ کو بلایا ہے۔"

"اچھا!" اس نے سر اثبات میں ہلایا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

ملازمہ کے ساتھ چلتے ہوئے وہ نمبرہ کے کمرے میں پہنچ گئے۔ ادھر بیڈ کے پاس کھڑی زینب پریشان دکھائی دیتی تھیں۔ ان کے ہاتھ میں موبائل بھی دکھائی تھا جس پر وہ اپنی انگلیاں اضطراب سے چلا رہی تھی۔

"پھپھو بلایا؟" اس نے عام سے لہجے میں پوچھا۔

"ہممم!" زینب نے سر اثبات میں ہلایا۔ تاثرات ہنوز پریشان تھے۔ "تمہیں پتہ ہے نمبرہ کہاں گئی ہے؟"

"نہیں نمبرہ نے مجھے نہیں بتایا۔ ان فیکٹ وہ تو مجھے بتا کر ہی نہیں جاتی ہے۔" عزہ نے وضاحت دی۔

"اف! اس لڑکی نے پریشان کر کے رکھا ہوا ہے۔ صبح سویرے سے باہر نکلی ہوئی ہے۔ میڈم کا موبائل

بھی گھر پر پڑا ہوا ہے۔ اب بندہ اس سے بات کیسے کریں!"

عزہ جو آرام سے سن رہی تھی، موبائل کا گھر پر ہی موجود ہونے کی خبر سن کر چونکی۔

"نمرہ اپنا موبائل یہی بھول گئی ہے؟"

"ہاں بیٹا!"

"اچھا کہاں پر ہے؟" عزہ نے تجسس سے پوچھا۔

زینب نے بیڈ کی دراز کی طرف اشارہ کیا۔ عزہ خاموشی سے دراز کے پاس چلی گئی اور فون اٹھا لیا۔

اس نے موبائل کھولا تو اس سے پاسورڈ مانگا گیا۔

"موبائل تو لاک ہوا ہوا ہے۔" عزہ نے مایوسی سے کہا۔

"مجھے پاسورڈ پتا ہے۔"

"اچھا کیا ہے۔" چوچہ مایوس ہوا تھا فوراً کھل اٹھا۔

"نائن ایٹ سیون سکس!" پھپھو نے مصروف انداز میں کہا۔ ان کی ساری توجہ اپنے موبائل پر ہی مرکوز تھی۔

عزہ نے موبائل کا لاک کھول لیا اور سیدھا کنٹیکٹ لسٹ میں پہنچ گئی۔ وہاں پر سب سے پہلے وہ آریان

کے نمبر پر گئی۔ اس نے وہ نمبر کاپی کر کے اپنے موبائل نمبر پر ایس ایم ایس کے ذریعے سینڈ کر دیا۔

اس کے بعد اس نے اپنا موبائل نمبر اور ایس ایم ایس دونوں ڈیلیٹ کر دیے۔

"کچھ ملا بیٹا!" پھپھو کی بات سن کر اسے جھٹکا ملا۔ ایک پل تو اسے یہ سوچنے میں لگا تھا پھپھو کس بارے میں بات کر رہی ہے۔

"نہیں پھپھو ڈھونڈ ہی رہی ہوں۔"

اس کے بعد عزازہ واٹس ایپ پر گھس گئی۔ اس کے بعد وہ آریان کی چیٹ کھول کر بیٹھ گئی۔ نمرہ شاید بیوقوف تھی یا اپنے آپ کو ضرورت سے زیادہ ماسٹر مائنڈ سمجھتی تھی کیونکہ اس نے اپنی اور آریان کی چیٹ کو ڈیلیٹ نہیں کیا تھا۔

وہ پڑھنے لگ گئی۔ اس میں ایسی کوئی بھی بات نہیں تھی جسے وہ پھپھو کو دکھا سکتی۔ ان دونوں کی چیٹ ایسی تھی جیسے دو عام دوست چیٹنگ کرتے ہو۔

اوپر کرتے کرتے اسے آریان کی طرف سے سینڈ کیا ہوا ایک میسج ملا۔ وہ اسلام آباد کے علاقے کا ہی ایک ایڈریس تھا۔ اس کے ساتھ آریان نے یہ بھی لکھا ہوا تھا۔ وہ امی جان کے اسی گھر میں دوبارہ رہنے آگیا ہے۔

"کہیں یہ وہی گھر تو نہیں تھا۔" اس نے ایک پل کے لیے سوچا۔ اس نے اس ایڈریس کو حفظ کر لیا۔

"لگتا ہے نمرہ بی بی آگئی!" ملازمہ کی بات سن کر عزازہ کے ہاتھ سے موبائل چھوٹتے چھوٹتے بچا۔

وہ جلدی سے واٹس ایپ سے باہر نکلی اور سب کچھ پہلے جیسا کر کے موبائل دراز کے اوپر رکھ دیا۔

پھپھو اور ملازمہ کمرے سے باہر نکل گئی۔ عزازہ نے خود ایک پل کے لیے پرسکون کیا اور وہ بھی باہر چلی گئی۔

زینب کے گھر میں زینب کی ڈانٹتی آواز اب گونج رہی تھی۔

شام کے وقت ہر کوئی اپنے کام میں مگن تھا۔ جائی یا نہ بھی ان ہی کاموں میں مگن تھی۔ وہ ٹیوشن سینٹر سے پڑھا کر بس اسٹاپ کی جانب جا رہی تھی جب اسے دور سے زید پیدل چلتا ہوا دکھائی دیا۔ وہ رک گئی۔ جیسے ہی زید قریب آیا وہ فوراً بولی۔

"تمہارے بازو کا زخم کیا ابھی تک نہیں بھرا ہے؟"

"نہیں کچھ کچھ ٹھیک ہو گیا ہے۔" زید نے اپنے دونوں ہاتھ پینٹ کی جیب میں ڈال لیے۔ وہ دونوں اب ساتھ چلنے لگ گئے تھے۔

"اگر تھوڑا سا صحیح ہو گیا ہے تو تم بایک کا استعمال کیوں نہیں کرتے؟"

جائی یا نہ نے عام سے لہجے میں پوچھا تھا مگر زید کے چہرے پر یکدم ایک تاثر ابھرا تھا جو وہ بہت جلد چھپا گیا۔

"میں یونہی پیدل آنا چاہتا ہوں۔ پیدل چلنے سے صحت اچھی رہتی ہے۔" زید کی بات سن کر جائی یا نہ نے گہری نگاہیں زید پر ڈالی۔

"ایک بات بولوں؟"

بس اسٹاپ دور سے دکھائی دینے لگ گیا تھا۔

"جی!" زید نے سر اثبات میں ہلایا۔

"تم بہت عجیب ہوتے جا رہے ہو۔ بہت زیادہ عجیب!" اس کی یہ بات سن کر زید کے چہرے پر سایہ گزرا۔

"امم ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔" بہت دیر بعد اس نے کہا تھا۔

"تم بتانا نہیں چاہتے ہو یہ الگ بات ہے مگر جب سے اس رات ہماری لڑائی ہوئی ہے تب سے تم عجیب طرح سے بیہو کرنے لگ گئے ہو۔"

"عجیب سے رویے سے آپ کا کیا مطلب ہے؟ مجھے ذرا کھل کر بتائیں گی؟" وہ دونوں بس اسٹاپ پر آکر رک گئے تھے۔

"تم۔۔۔ تم!" جائی یا نہ الفاظ اکھٹے کرنے لگ گئی۔ کچھ دیر یونہی لفظ تلاش کرنے کے بعد اس نے ہار مان لی۔

"رہنے دو۔ مجھے خود نہیں پتہ میں کیا محسوس کر رہی ہوں۔" وہ جان گئی تھی وہ زید کو صرف لفظوں سے یہ بات نہیں سمجھا سکتی تھی۔

زید نے جواباً کچھ نہیں بولا۔ دونوں ہی خاموش رہے۔ کچھ دیر بعد جب بس آئی تو وہ دونوں اس پر سوار ہو گئے۔

دونوں جب بس میں ایک ساتھ بیٹھ گئے تو جائی یا نہ کے ذہن میں فوراً ایک بات آئی۔

"زید!"

"ہممم!" وہ اپنے موبائل پر لگا ہوا تھا۔

"تمہیں پتہ ہے کل کیا دن ہے؟" اس نے بڑے محتاط انداز میں پوچھا تھا۔

زید نے اوپر سر کر کے سوچنے کے انداز میں ہاتھ اپنی تھوڑی پر رکھا پھر کچھ دیر بعد بولا۔

"میرے خیال سے تو اتوار ہے۔"

جائی یانہ کا دل چاہا اپنا سر پیٹ لے۔

"ظاہر سی بات ہے کل اتوار ہے۔۔۔" اس سے پہلے وہ اپنی بات مکمل کر پاتی زید بول پڑا۔

"اگر اتنی ہی ظاہر بات تھی تو آپ نے مجھ سے کیوں پوچھا؟"

"پاگل ہوں میں! دماغ ہی خراب ہے میرا!" جائی یانہ نے جلے کٹے انداز میں کہا۔

"اچھا!" زید دوبارہ موبائل میں مگن ہو گیا۔

جائی یانہ نے ایک تیز نظر زید پر ڈالی اور پھر بس میں موجود لوگوں کو دیکھا۔ کوئی بعید نہیں تھی اگر یہ بس خالی ہوتی تو وہ زید کا سر ہی توڑ ڈالتی۔

اس نے غصہ کم کرنے کے لیے کھڑکی سے دوسری طرف دیکھنا شروع کر دیا۔

اگلے دن کی شروعات ہی جائی یانہ کے لیے بہت بری تھی کیونکہ وہ جیسے ہی سو کر اٹھی اسے پتہ چلا باہر بارش ہو رہی ہے۔ اس کا منہ کھڑکی سے بوندوں کو گرتا دیکھ کر بن گیا۔

لوگوں کے لیے ہوتی ہوگی بارش رومینٹک لیکن جانی یانہ کو بارش سے سخت قسم کی چڑ تھی۔ اسے ایک عجیب سی الجھن ہو جایا کرتی تھی۔ سڑکوں، پارکوں اور جگہ جگہ بارش کے بعد اسے بس پانی پانی ہی کھڑا ہوا دکھائی دیتا تھا۔

آج چھٹی کا دن تھا اور اس کی سالگرہ بھی تھی۔ اس نے سوچا تھا وہ اکیلے ہی پورا شہر گھومے گی اور آج کا سارا دن وہی کام کرے گی جو اسے اچھا لگتا ہے مگر بارش نے اس کا پلان خراب کر دیا تھا۔ ناشتہ کر لینے کے بعد وہ منہ بنا کر بیڈ پر بیٹھ گئی اور گھور کر کھڑکی کو دیکھنے لگ گئی۔

"ایسا لگ رہا ہے بارش سے نہیں اپنے عاشق سے ناراض ہو!" اس کے ساتھ والے بیڈ پر جے ٹی پسارا مار کر لیٹی ہوئی تھی۔ بیڈ کے تاج سے کمر کی ٹیک لگا کر اس نے اپنے پاؤں بیڈ پر پھیلانے ہوئے تھے۔ اپنے اوپر اس نے لیپ ٹاپ رکھا ہوا تھا جس پر وہ رات سے ویب سیریز دیکھ رہی تھی۔ وہ سو کر نہیں اٹھی بلکہ اب وہ سونے والی تھی۔

"تمہیں کیا!" جانی یانہ نے نروٹھے انداز میں کہا۔ پھر کچھ دیر بعد اسے کچھ یاد آیا۔

"تمہارے پاس کوئی نان فکشن بک ہوگی؟"

"سوری میرے پاس اگر ملیں گے تو ناول ملیں گے وہ بھی ڈائجیسٹ والے، پڑھو گی؟"

"نہیں مجھے نان فکشن بک ہی پڑھنی ہے!"

"کیوں ناول سے کیا مسئلہ ہے۔ اچھے نہیں لگتے؟" جے ٹی کے سوال پر جانی یانہ بولی۔

"ناول میں پڑھ لیتی ہوں۔ مجھے تھوڑے بہت پسند بھی ہے مگر زیادہ پسند مجھے نان فکشن کتابیں ہے کیونکہ اس میں لکھاری اپنے قاری سے براہ راست بات کر رہا ہوتا ہے۔ وہ اپنا علم وقت کی قید سے آزاد، کسی کہانی یا کردار کے سہارے کے بغیر لکھتا ہے۔ میری بہنیں سمجھتی ہے میں ناول پڑھتی ہوں۔ بہت سے لوگ سمجھتے ہیں اگر آپ ریڈر ہے تو آپ کو فکشن بکس ہی پسند ہے۔ کچھ لوگوں کو نان فکشن بک بھی پسند ہوتی ہے۔ جو بالکل نارمل ہے۔"

"تمہاری اتنی بڑی تقریر کا شکریہ مگر بات یہی پر آتی ہے میرے پاس صرف ناول ہے۔ نان فکشن بک نہیں!"

جائی یانہ نے دوبارہ منہ بنا لیا۔ کچھ دیر بعد دروازہ بجنے کی آواز آئی۔

"جے ٹی دروازہ بج رہا ہے!" جائی یانہ نے جے ٹی کو آواز لگائی۔

"سنائی دے رہا ہے۔" جے ٹی کی نظریں ہنوز لیپ ٹاپ کی اسکرین پر تھی۔

"اگر سنائی دے رہا ہے تو دروازہ کھولو ناں!" جائی یانہ نے تھوڑے چڑچڑے پن میں کہا۔

"میں ویب سیریز دیکھ رہی ہوں۔ جانا ہے تو خود جاؤ ورنہ مجھے نہیں پتہ!" جے ٹی نے ہاتھ اٹھا لیا۔

جائی یانہ زور دیتے انداز میں بیڈ پر سے کھڑی ہوئی۔

"اگر تمہاری کوئی دوست باہر ہوئی پھر دیکھنا!" جائی یانہ کا انداز تنبیہ دینے والا تھا۔

جے ٹی نے ہاتھ جھلا دیا۔ اس نے جائی یانہ کی دھمکی کو ہوا میں اڑایا تھا۔

جائی یانہ نے جب دروازہ کھولا تو اس کے سامنے ہاسٹل میں کام کرتی ملازمہ تھی۔

"یہ آپ کو کوئی دے کر گیا ہے۔" ملازمہ کے ہاتھ میں ایک گلدستہ اور ایک تحفہ تھا جو اس نے جائی یانہ کی طرف بڑھایا۔

جائی یانہ نے اچھے ہوئے انداز میں اسے پکڑ لیا۔

"یہ کس نے دیے؟ دینے والا اپنا نام بتا کر گیا ہے؟"

"نہیں بی بی!" ملازمہ کا سر نفی میں ہلا۔

"اچھا تو تم حلیہ تو بتا ہی سکتی ہو ناں؟"

"یہ سامان تو کوئی آپ کا نام لے کر چوکیدار کو دے کر گیا ہے۔"

"اچھا!" جائی یانہ نے غائب دماغی سے کہا اور دروازہ بند کر کے واپس اندر آگئی۔

اس نے گلدستہ اور تحفے کا ڈبہ بیڈ پر رکھ دیا۔

"یہ کون دے کر گیا ہے؟" بے ٹی کی نظریں جیسے ہی اس سامان پر گئی فوراً بولی۔

پتہ نہیں!" جائی یانہ نے تحفے کے ڈبے کو پکڑ لیا تھا۔ اس نے ڈبا ادھر ادھر کر کے گفٹ ریپر کی ٹیپ

ڈھونڈی پھر نہایت سلیقے سے گفٹ ریپر کو پھاڑے بغیر اس نے اسے ڈبے سے اتارا۔ اس کے اندر

سفید رنگ کا ایک ڈبہ تھا۔

اس نے جیسے ہی ڈبے کو کھولا اس کر اندر سے ایک کتاب نکلی جس کا عنوان کچھ اس طرح کا تھا۔

"The breif history of time by Stephen Hawking "

جائی یا نہ ایک لمحے کے لیے شک ہو گئی تھی۔ یہ کتاب نان فکشن تھی اور تو اور جائی یا نہ اپنی شادی سے پہلے یہی کتاب کب سے خریدنا چاہتی تھی مگر حالات کے اتار چڑھاؤ نے کتابیں اس کے ذہن سے بالکل نکال ہی دی تھیں۔

یہ کون تھا جسے اس کی پسند ناپسند کے بارے میں اتنا پتہ تھا۔

اس کے ذہن میں زید کا نام ابھرا۔ کیا وہ زید نے اسے یہ دیا تھا؟ دل بار بار نہ کہہ رہا تھا لیکن اگر زید نے اسے یہ کتاب نہیں دی تو پھر کون ہو سکتا ہے؟ کون ہو سکتا ہے؟

اسی پل اس کے موبائل پر ایک میسج آیا اس نے جیسے ہی موبائل اٹھا کر دیکھا تو وہ عزہ کی جانب سے آیا ایک ایڈریس تھا۔

ابھی وہ پورا ایڈریس پڑھ پاتی، اس سے پہلے ہی عزہ کی کال آئی۔

"ہیلو جائی یا نہ!" اسپیکر میں سے آواز ابھری۔

"ہاں بولو بگو!"

"مجھے آریان کا ایڈریس مل گیا ہے۔ مجھے لگتا ہے عالیہ یہاں ہے۔" عزہ کی بات سن کر جائی یا نہ

موبائل ایک کان سے ہٹا کر دوسرے میں لگایا۔

"آپ سچ کہہ رہی ہے؟"

"ہاں"

"آپ کو کیسے ملا؟"

"کم از کم مل تو گیا۔ تمہاری طرح تو نہیں کیا کہ کام لے کر بہانے بنانے لگ گئی۔" عزاہ نے طنز کیا۔
جائی یا نہ کو شدید قسم کا غصہ آیا مگر وہ ضبط کر گئی۔

عزاہ بولتی رہی۔

"مجھے پورا یقین ہے آریان یہی پر ہوگا۔ اب تمہیں بس یہ کرنا ہے وہاں جا کر پہلے گردونواح کا جائزہ لینا ہے اور پھر کوئی لائحہ عمل بنا کر اس گھر کے اندر بھی گھس جانا ہے جہاں تمہیں شک ہو عالیہ موجود ہے!"

"آپ کے پاس پورے گھر کا ایڈریس نہیں ہے۔ ایسے میں میں کیسے پتہ لگاؤں گی عالیہ آپ کی کس گھر میں ہے؟"

"ہو گئے بہانے شروع۔ تمہیں کام کرنا ہی نہیں ہے۔" عزاہ کے انداز میں ایک بار پھر طنز تھا۔

"یہ بہانے نہیں لاجک ہے جو میں بتا رہی ہوں۔ آپ اس سب کو کوئی فلم سمجھ رہی ہیں مگر اصل میں یہ سب حقیقت ہے۔ میں اگر وہاں گردونواح کا جائزہ لینے گئی بھی تو وہ لوگ مجھے فوراً پہچان لیں گے اور نہ مجھے اس بات کا الہام ہو سکتا ہے عالیہ آپ کی کہاں ہے؟"

"تو تم کچھ اور سوچو۔ کچھ بھی کرو بس عالیہ کو باہر نکالو۔"

"اچھا میں زید سے کوئی۔۔۔" عزاء نے فوراً جائی یانہ کی بات کاٹی۔

"خبر دار جو تم نے زید کے سامنے کوئی ذکر بھی کیا۔ وہ یہ چاہتا ہی نہیں ہے تم آریان کے گھر جاؤ۔"

"وہ ایسا کیوں چاہے گا؟" جائی یانہ کو جانے کیوں برا لگا تھا۔ زید کے بارے میں عزاء بجو بہت منفی سوچتی تھی۔

"وہ ایسا اس لیے چاہے گا کیونکہ اگر آریان کو پتہ چلا تم اس کے خلاف کچھ کرنے جا رہی ہو تو وہ تمہارے ساتھ ساتھ زید کو بھی نشانے میں لے سکتا ہے۔ وہ اپنی جان اس سب میں بچانا چاہتا ہے۔"

جائی یانہ خاموش رہی۔ عزاء کی اس بات میں لاجک تھی مگر زید کے بارے میں وہ ایسا نہیں سوچ سکتی تھی۔

"وعدہ کرو تم زید کو اس بات کی بھنک بھی نہیں پڑنے دو گی!"

"لیکن۔۔۔" جائی یانہ بات مکمل نہ کر پائی۔

"لیکن ویکن کچھ نہیں تمہیں وعدہ کرنا ہو گا ورنہ میں یہی سمجھوں گی تم عالیہ کی مدد کرنا ہی نہیں چاہتی ہو۔"

"میں آپ کو بچانا چاہتی ہوں۔" جائی یانہ نے لفظوں پر زور دیا۔

"اگر سچ کہہ رہی ہو تو وعدہ کرو ناں!" عزاء کا لہجہ اکسانے والا تھا۔

"ٹھیک میں وعدہ کرتی ہوں۔ اب خوش آپ۔ ایک اچھا سا پلان خود بنا کر مجھے دے دینا۔ میرے پاس اتنا دماغ نہیں ہے جو اس پر صرف کروں۔" یہ کہہ کر اس نے فوراً کال کاٹ دی۔

اس نے وعدہ کر تو لیا تھا مگر اب وہ زید سے یہ بات کیسے چھپائے گی۔ وہ اسی سوچ میں مگن تھی۔ پیچھے رکھا گلدستہ آہستہ آہستہ اپنی خوشبو پورے کمرے میں پھیلا رہا تھا۔

دوپہر تک بارش ختم ہو چکی تھی لیکن بادل ابھی بھی تھے۔ ان ہی بادلوں کی اوٹ میں سورج چھپا ہوا تھا۔ جیسے ہی بادل کا ایک ٹکڑا سورج کے آگے سے ہٹا۔ نرم گرم دھوپ کی کرن آسمان کو چیرتی ہوئی زمین پر پہنچی۔ اگر کوئی آسمان کی جانب دیکھتا تو یوں محسوس ہوتا جیسے آسمان اسے کوئی پیغام دینا چاہتا ہو۔

وہ بادل ناامیدی کے سایے معلوم ہوتے تھے اور سورج کی اجلی کرن، امید کا جلتا نیا دیا تھا۔ یہ کرن مسز جہانگیر کے گھر تک بھی پہنچ رہی تھی۔ بھلے یہ کرن اس گھر کے اندر رہنے والے قیدی تک نہیں پہنچ پا رہی تھی مگر اس قیدی کے دل میں اس کرن جیسی امید پیدا ہو گئی تھی۔

کمرے کی قیدی اپنے کمرے میں موجود ارد گرد کا جائزہ لے رہی تھی۔ وہ دیکھ رہی تھی کہ کیا باہر جانے کا کوئی راستہ، کوئی روشن دان یا کوئی چھوٹا سا سوراخ بھی ہے۔

حالانکہ یہ کام وہ جب اس کمرے میں قید ہوئی تھی ان دنوں کر چکی تھی مگر اب اس کا دل پہلے جیسا ناامید نہیں رہا تھا۔ اس کے پاس ایک وجہ پیدا ہو گئی تھی۔ وہ باہر جانا چاہتی تھی۔ اس لیے نہیں کیونکہ

وہ قید میں تھی بلکہ اس لیے کیونکہ اسے بچانا تھا، اپنے گھر والوں کو۔ انہیں بتانی تھی وہ ساری حقیقت جو شاید ان کے درمیان اب تک کھل نہ پائی ہو۔

اس نے پورا کمرہ چھانا تھا۔ توقع کے عین مطابق کوئی راستہ نہیں نکلا تھا مگر اس کا حوصلہ پست ہونے کی بجائے مزید بڑھ گیا تھا۔

اس نے اب دروازے کو دیکھا۔ اس کے دماغ میں بہت سے تانے بانے جڑ رہے تھے۔ وہ ایک پل کے لیے کچھ سوچتی رہی۔ پھر وہ دروازے کے پاس گئی۔ اس نے دروازے سے کان لگایا دوسری طرف بالکل سناٹا تھا۔

اس نے گردن نفی میں ہلائی اور واپس بیڈ پر بیٹھ گئی۔ وہ بے چینی سے پاؤں جھلانے لگ گئی۔ کچھ تھا جو وہ اب سوچ چکی تھی۔

شام کی گہرائیاں بڑھ رہی تھی۔ آسمان بالکل صاف ہو گیا تھا۔ جانی یا نہ کھلے آسمان کو اپنے کمرے کی کھڑکی سے دیکھ رہی تھی۔ یہ اس کی سب سے بورنگ ترین برتھڈے تھی۔ نہ ہی کسی نے اسے وش کیا اور نہ ہی کوئی کیک کٹا۔ بس ایک گفٹ ہی اسے صبح ملا تھا۔ دینے والے کا نام ابھی تک نہیں پتہ تھا مگر جانی یا نہ نے اندازہ لگا لیا یہ گفٹ یقیناً زید نے دیا ہوگا۔

اسے زید پر غصہ بھی آ رہا تھا۔ کیا تھا اگر وہ گفٹ خود اسے دیتا۔ کتنا خوش ہوتی وہ؟ ایسے چھپ کر تحفہ دینے کا کیا مطلب تھا؟

وہ یونہی بیٹھی ہوئی تھی جب کمرے کا دروازہ بجا اور کوئی اسے بتا کر گیا کہ اس کا شوہر اس سے ملنا آیا ہے۔ یہ خبر سنتے ہی جانی یانہ کا غصہ فوراً سے غائب ہو گیا۔ شکوے ایسے بھاگے جیسے کبھی ان کا اس کے دل میں بسیرا ہی نہ ہوا ہو۔

وہ بھاگتی ہوئی نچی منزل میں پہنچی۔ وہ جیسے ہی ملاقاتی کمرے کے اندر داخل ہوئی اسے زید دکھائی دیا۔ اس کے ہاتھ میں لال پھولوں کا گلدستہ تھا جبکہ دوسرے ہاتھ میں بیکری کا شاپر میں لپٹا ایک ڈبہ۔ گلدستے کو دیکھ کر اسے کچھ ہوا۔ زید نے صبح بھی اسے گلدستہ بھیجا اور شام کو بھی۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے مگر پھر فوراً ہی سوچا کہ اسے پھول اور کون دے سکتا ہے۔ اس لیے اس نے اپنے ذہن سے تمام الجھن جھٹک دی۔

جانی یانہ جیسے ہی اس کے قریب آئی۔ اس نے فوراً گلدستہ اس کے آگے کیا۔

"ہیپی برتھ ڈے جانی یانہ!" اس نے پر جوش انداز میں اسے وش کیا۔

جانی یانہ نے سر کو خم دیا۔ پھر اس کے ہاتھ سے گلدستہ لے لیا۔

"صبح مل کر کیوں نہیں گئے؟" جانی یانہ نے پوچھا۔

"صبح کام ہی اتنا تھا۔" اس نے سر کھجاتے ہوئے اعتراف کیا۔ جانی یانہ کے دل میں گڑبڑ کا بیج اب مکمل نکل گیا تھا۔

"کاموں میں کیا میں تمہیں یاد نہیں رہی؟ ایک میسج کر کے ہی بندہ برتھ ڈے وش کر سکتا ہے۔" جانی یانہ نے شکوہ کیا۔

"کر تو دیتا مگر پھر آپ کے چہرے پر آئے یہ تاثرات یقیناً نہیں دیکھ پاتا۔" زید نے مسکراتے ہوئے اس کا دھیان اس کے تاثر پر دلایا۔

جائی یانہ کو فوراً محسوس ہوا۔ وہ کھل کر مسکرا رہی تھی۔ اس نے مسکراہٹ کو بمشکل سمیٹا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں تو بس۔۔۔۔" جائی یانہ نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ اس کے پاس بات پورا کرنے کو الفاظ ہی نہیں تھے۔

"اچھا یہ کیک بھی لایا ہوں میں!"

"واقعی!" جائی یانہ خوشی سے اچھل پڑی۔

"ہاں! چلے کسی سے چھری منگوائے۔ ہم لوگ کھاتے ہیں۔" زید شاپر سے کیک کا ڈبہ نکالنے لگا۔ جائی یانہ نے ہاتھ اٹھا کر اسے فوراً منع کیا۔

نہیں نہیں! یہاں نہیں کھاتے!"

"کیوں؟" زید کے ابرو اوپر کو اٹھیں۔

"یہاں کھائیں گے تو یہ ندیدی عورتیں بھی آجائیں گی۔ ایک برتھڈے وش تو کیا نہیں اور کیک دیکھ کر منہ میں رال پڑکتی آجائیں گی۔" اس نے بات کے اختتام پر پیچھے دیکھا۔ ایسے جیسے اسے شک تھا کوئی ابھی آئے گا اور کیک ان سے پکڑ کر لے جائے گا۔

"تو پھر کدھر کھانا ہے اسے؟" زید نے ڈبہ تھوڑا اوپر کیا۔

"باہر کہیں پارک میں کھاتے ہیں۔"

"اچھا!"

زید اور وہ دونوں فوراً کمرے کے باہر چلے گئے۔

سورج ڈھل چکا تھا۔ وہ دونوں درخت کی اوٹ میں ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ وہ دونوں جس طرف بیٹھے تھے وہاں سے بمشکل ہی کوئی انہیں دیکھ سکتا تھا۔ ان دونوں کے ہاتھ میں پلاسٹک کی چمچ تھی۔ وہ دونوں پائن اپل کیک کو کھانے میں مگن تھے جو اب ختم ہونے کے بالکل قریب تھا۔

"بس!" جانی یانہ نے ہاتھ کھڑا کر دیا۔ "میرا پیٹ تو بھر چکا ہے۔ اب اور کچھ نہیں کھایا جائے گا۔ ایسا کرو باقی کا تم کھا لو۔" وہ ہاتھ گراؤنڈ میں اُگی گھاس پر پھیرنے لگی جو خشک تھی۔

"جی تین چار نوالے چھوڑ کر بڑا احسان کیا آپ نے۔" زید نے خاصے جلے کٹے انداز میں کہا۔

"تو میں نے اکیلے کھایا ہے؟ تم بھی تو کھا رہے تھے۔" اس نے بھی تنک کر کہا۔

"میں نے تو بس ایک دو چمچ کھائے ہیں۔ باقی تو بس آپ کو ہی کھاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔"

"کیوں کھاتے ہوئے پیاری لگ رہی تھی۔" جانی یانہ نے ایک ادا سے ہاتھ جھلایا۔

"نہیں سو برسوں کی بھوکی لگ رہی تھیں۔ آپ کو اس طرح کھاتا دیکھ کر مجھے کچھ ہونے لگ گیا تھا۔ میرے حلق سے تو نوالے ہی نہیں اتر رہے تھے۔" زید نے کیک کی کریم سے بھری چمچ منہ میں ڈالی۔

"خود اس طرح کھا رہے تھے اور نام مجھ پر لگا رہے ہو۔" جانی یانہ نے منہ دوسری طرف کیا۔

"آپ خود بھی جانتی ہے میں سچ کہہ رہا ہوں۔" زید نے کے انداز میں واضح چڑانے والا تاثر تھا۔

"زید تم خاموش ہو جاؤ ورنہ وہ صبح تم نے جو کتاب بھیجی تھی ناں وہی تمہارے منہ پر ماروں گی۔"

جانی یانہ نے غصے تمللا کر کہا جبکہ زید کے تاثرات یکدم بدل گئے۔

"کونسی کتاب؟" زید کا سوال سن کر جانی یانہ سیدھی ہوئی اور اسے کے چہرے کو دیکھا۔ ایک پل کے لیے لگا وہ مذاق کر رہا تھا۔

"زید تم مذاق کر رہے ہو ناں؟" گڑبڑ کا جو بیچ کچھ دیر پہلے نکلا تھا اب وہ دل میں تناور درخت بن گیا تھا۔

"میں آپ سے کچھ پوچھ رہا ہوں جانی یانہ آپ کونسی کتاب کی بات کر رہی ہیں؟" جانی یانہ کو محسوس ہوا زید کا لہجہ سخت ہو رہا ہے۔ اس کے تاثر بتا رہے تھے یہ مذاق نہیں ہے۔

اوہ میرے خدایا یہ مذاق نہیں ہے۔

"تو وہ کتاب اور گلدستہ صبح تم نے نہیں بھجوا یا تھا۔ بارش کے وقت!" زید کے چہرے پر تیور چڑھتے دیکھ کر جانی یانہ کا چہرہ لٹھے کی مانند سفید پونے لگ گیا۔ اسے ایک پل کے لیے زید میں اپنے باپ کی جھلک دکھائی دے رہی تھی۔ وہ بھی تو اس کی ماں کو یونہی غصے سے دیکھتے تھے۔

"وہ کتاب اور گلدستہ مجھے چاہیے جانی یانہ!" زید کھڑا ہو گیا۔

"زید بات کیا ہے تم۔۔۔"

"آپ خاموشی سے چل رہی ہے یا میں آپ کے ہاسٹل کے کمرے میں جا کر اس گند کو خود نکالوں۔"

زید نے تیز لہجے میں اس کی بات کاٹی۔

جانی یانہ فوراً سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ زید نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ زید کی گرفت ہلکی تھی مگر پھر بھی اسے خوف آ رہا تھا۔ زید کے تاثرات خوف کھائے جانے کے قابل تھے۔

کچھ لمحات بعد اگر دیکھو تو زید اسی ملاقاتی کمرے کے چکر کاٹ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد جانی یانہ کمرے میں آتی دکھائی دی۔

"یہ ہے!" اس نے جیسے ہی کتاب زید کے سامنے کی اس نے فوراً پکڑ لی۔ جانی یانہ کو ایک پل کے لیے لگا جیسے زید اس کتاب کو پھاڑ ہی ڈالے گا۔

"وہ پھول کہاں ہے؟" زید نے سرد لہجے میں پوچھا۔

"اوپر پڑے ہیں۔"

"انہیں بھی لے کر آئیں۔" زید نے حکم دیا۔ جانی یانہ اس زید سے پہلی دفعہ مل رہی تھی۔

جانی یانہ تھوڑی سی ہچکچائی۔

اسے یوں کھڑا دیکھا تو وہ ضبط سے بولا۔

"جائی یانہ! پلیز وہ پھول لے آئے۔ میرا صبر مت آزمائے میں کچھ کر بیٹھوں گا۔"

جائی یانہ مڑی اور مرے مرے قدموں سے کمرے سے باہر نکل گئی جب وہ واپس کمرے میں آئی تو اس کے ہاتھ میں سفید پھولوں کا گلدستہ تھا۔ جائی یانہ نے گلدستہ اس کے سامنے کیا نظر بھی نہیں ملائی۔ زید نے وہ گلدستہ تھام لیا۔

اس نے دیکھا سفید پھولوں پر ایک کارڈ لگا ہوا تھا۔ اس نے اس چھوٹے سے کارڈ کو جیسے ہی کھولا اسے سمجھ آگیا جائی یانہ کیوں جھجک رہی تھی۔

اس میں اظہارِ محبت لکھا ہوا تھا۔ اس کی لائنز اس قدر بولڈ لگ تھیں کہ زید نے مٹھی بھینچ لی۔ زید نے ایک نظر جائی یانہ کو دیکھا جو اس سے نگاہیں نہیں ملا پا رہی تھی۔ پھر وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔

جائی یانہ نے چہرہ اٹھا کر اسے جاتے دیکھا۔ وہ جا رہا تھا اور وہ اسے روک نہیں سکتی تھی۔ وہ جانتی تھی اس وقت وہ غصہ تھا۔ اس نے تو سب سے پہلے کتاب کا ہی نام لیا تھا۔ گلدستے کا ذکر تو بہت دیر بعد آیا تھا۔ وہ اسی لیے ان پھولوں کو لاتے ہوئے گھبرا رہی تھی۔ وہ جانتی تھی اگر زید نے اس کارڈ پر نظر ڈالی تو اس کی غیرت یقیناً جوش مارے گی۔

لیکن سوال یہ تھا کہ زید کیا یہ سامان بھیجنے والے کو جانتا تھا! اور اگر جواب ہاں تھا تو پھر کیسے؟ اور کون تھا جس نے اسے یہ سامان بھیجا تھا۔

لیکن وہ ابھی کچھ پوچھ نہیں سکتی تھی۔ زید ابھی غصے میں تھا۔ غصے میں وہ ابھی کچھ بھی کر سکتا تھا۔ ایک بات جو تسلی بخش تھی وہ یہ تھی زید اگر غصے میں تھا بھی تو پھول بھیجنے والے پر تھا، جائی یانہ پر نہیں اور نہ ہی زید کے چہرے اور آنکھوں میں جائی یانہ کے لیے شک تھا۔

وہ اس بات پر کچھ حد تک مطمئن ہو گئی تھی مگر زید جیسے غصے میں باہر نکلا تھا اسے یقین تھا وہ کوئی بہت بڑا جھگڑا کرنے گیا تھا۔

اسے یہی سوچ سوچ کر پریشانی ہو رہی تھی۔

عزہ اپنے کمرے میں بیٹھی ہوئی تھی۔ رات کا کھانا ان کے گھر میں کھا لیا گیا تھا۔ شایان اب باہر اپنے کسی دوست کے ساتھ گیا تھا۔

عزہ تنہا کمرے میں بیٹھی ہوئی تھی۔ یونہی بیٹھے بیٹھے اسے خیال آیا کیوں نا وہ جائی یانہ کو کال کر لے۔ یہی سوچ کر وہ اٹھی اور پہلے اپنے کمرے کے دروازے کو اچھے سے بند کیا پھر الماری کے پاس جا کر اپنا فون نکالا۔

جائی یانہ کا نمبر ملا کر اس نے فون اٹھا لیا۔ تین چار بیل چلی گئی لیکن دوسری طرف سے کال نہیں اٹھائی گئی۔ عزہ اب کچھ پریشان ہو گئی۔ پانچویں مرتبہ جب اس نے کال ملائی تو اسے جائی یانہ نے کچھ دیر بعد اٹھا لیا۔

"جی بھو!"

"کہاں تھی تم؟" عزاء نے پوچھا۔ اس نے اپنی پریشانی چھپالی تھی۔

"کمرے میں ہی تھی۔" دوسری طرف سے بہت آرام سے جواب دیا گیا۔ یہ لہجہ عزاء کو برا لگا۔

"اگر کمرے میں تھی تو کال کیوں نہیں اٹھا رہی تھی؟" اس بار عزاء نے قدرے رعب سے پوچھا تھا۔

"بس میرا موبائل کی طرف دھیان نہیں تھا۔" جائی یانہ کی آواز تھکی ہوئی محسوس ہو رہی تھی لیکن عزاء کو یہ سب بہانے بازی لگ رہی تھی۔

"بہانے بنانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے جائی یانہ! صاف صاف بولو تمہیں مجھ سے بات ہی نہیں کرنی تھی۔ تم۔۔۔"

"بجو! میں ابھی اچھی خاصی پریشان ہوں۔ آپ سے تو کیا مجھے کسی سے بھی بات نہیں کرنی ہے اور اگر آپ نے عالیہ آپنی کے سلسلے میں کوئی بات کرنی ہے تو میں پکا وعدہ کل تک کوئی حل نکال دوں گی۔ اللہ حافظ!"

عزاء کی کوئی بات سنیں بغیر ہی جائی یانہ اپنی لائن کاٹ چکی تھی جبکہ عزاء کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔ یہ کیا ہوا۔ اس کی چھوٹی بہن نے اس کے منہ پر موبائل بند کیا۔

"بدتمیز!" عزاء نے موبائل زور سے الماری میں پھینکا لیکن کپڑے موجود ہونے کی وجہ سے موبائل کی باڈی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔

"مجھے بات ہی نہیں کرنی چاہیے تھی اس سے۔ اگر عالیہ کو نکالنا نہ ہوتا تو اس سے بات تو کیا اس کی شکل بھی نہ دیکھتی!" تنفر سے کہتے ہوئے عزہ نے الماری کے پٹ زور سے بند کر دیے اور باہر چلی گئی۔

زید رکشے میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ اپنے ہاتھوں کو ایک دوسرے سے رگڑ رہا تھا۔ اس کے ساتھ والی سیٹ پر گلدستہ اور کتاب رکھی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھیں خلا میں سفر کر رہی تھیں۔ اگر ہم بھی ان میں جھانکیں تو کچھ منظر بن رہے تھے۔ کیا آپ وہ دیکھنا چاہے گے؟

(کیا تمہیں یاد ہے عائشہ اور زید کی ملاقات سے پہلے زید ایک ریستوران سے باہر نکلا تھا۔ ہم اس وقت میں چلتے ہیں جب زید اس ریستوران کے اندر داخل ہوا تھا۔ اس ریستوران میں کافی بھیڑ تھی۔ لوگ اپنی فیملی اور دوستوں کے ساتھ انجوائے کرنے آئے ہوئے تھے۔ ایسے میں زید جیسے ہی داخلی دروازے سے اندر داخل ہوا وہ گردن گھما کر اپنے میزبان کو ڈھونڈنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اسے دور میز پر بیٹھا دکھائی دیا۔ زید بھی میانہ رفتار اپنائے اس کے پاس پہنچ گیا۔

"کیوں بلایا ہے مجھے؟" زید کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ لہجہ خاصا احسان کرنے والا تھا۔

سامنے بیٹھا شخص خاموشی سے اسے دیکھتا رہا جیسے وہ اسے پڑھ رہا ہو۔

زید کچھ چڑ گیا۔

"اگر تمہیں کوئی ضروری بات کرنی ہے تو جلدی کرو۔ مجھے اور بھی کام ہے۔ تمہاری طرح باپ کا چھوڑا ہوا حرام کا مال نہیں ہے۔"

دوسری طرف خاموشی کے ایک دوپل بڑھائے گئے۔ پھر خاموشی ٹوٹی۔

"میں تم سے جو بات کروں گا مجھے یقین ہے وہ تمہیں بہت پسند آئے گی کیونکہ اس میں تمہارا فائدہ ہی فائدہ ہے۔"

آخر کار سامنے والے نے کچھ کہہ دیا تھا۔ زید الجھن سے اسے دیکھنے لگا۔

"تم کس فائدے کی بات کر رہے ہو؟" زید کا انداز اب محتاط اور سنجیدہ ہو گیا تھا۔ سامنے والے کے چہرے پر مسکراہٹ سج گئی۔

"میں اس شے کی بات کر رہا ہوں جو تمہاری سوچ سے بھی زیادہ میرے لیے اعمول ہے۔" سامنے والا کچھ زیادہ ہی بات کو گھما رہا تھا۔

"تم کس چیز کے بارے میں بات کر رہے ہو؟ کھل کر بتاؤ۔"

"میں جائی یا نہ کی بات کر رہا ہوں۔"

سامنے والے کے منہ سے یہ نام سنتے ہی زید کا پارہ ہائی ہو گیا۔

"اپنی بکواس بند رکھو۔ میری بیوی کا نام بھی کیسے لیا تم نے!" زید نے بھڑک کر کہا مگر سامنے والے نے کوئی اثر نہیں لیا تھا۔

"وہ تمہاری بیوی ہے یا نہیں مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مجھے فرق صرف ایک بات سے پڑتا ہے زید اور جانتے ہو وہ کیا ہے؟" وہ آدمی میز کی جانب جھکا تھا۔

"مجھے فرق اس بات سے پڑتا ہے کہ وہ مجھے پسند آگئی ہے۔ شروع دن سے ہی پسند ہے۔ تم جانتے ہو یہ شادی جو ہوئی ہے۔ یہ ساری ہماری بچھائی ایک چال تھی۔"

زید کے چہرہ پہلے پیلا پڑا پھر اس کے چہرے پر سرخی دوڑنے لگی۔ اس سے ضبط نہیں ہو پا رہا تھا۔
 "تم چاہے غصہ کرو یا ناراض ہو تمہاری بیوی کو آنا تو میرے پاس ہی ہے۔ میں نے اس کی شادی مصلحتاً تمہارے ساتھ کروائی تھی۔ یہ شادی اس لیے نہیں ہوئی کہ تم اسے اپنی ملکیت سمجھ بیٹھو۔ جائی یا نہ اشفاق صرف اور صرف میری ہے۔"

زید فوراً سے کھڑا ہوا اور اس کے پاس آکر اس گریبان پکڑ لیا۔

"خبر دار جو میری بیوی نام بھی لیا تم نے! میں تمہیں بتا رہا ہوں میں تمہارے ساتھ برا سلوک کروں گا۔"

اس کے تاثرات میں ہنوز پر سکون تھے۔

"میری ڈیل تو سن لو؟" آرام سے آفر کی گئی ہے۔

"لعنت بھیجتا ہوں تمہاری ڈیل پر!" یہ کہہ کر اس نے گریبان چھوڑا اور باہر کی جانب بڑھ گیا۔ پیچھے بیٹھا شخص دور تک اسے جاتا دیکھتا رہا۔

رکشے کا ٹائر سڑک پر ایک گڈھے سے ٹکرایا جس کی وجہ سے ایک زور دار جھٹکا رکشے کو لگا۔ اسی جھٹکے نے زید کو حال میں پہنچایا۔ اس نے اپنا دھیان ماضی میں بھٹکنے سے باز رکھا۔

رکشے کی رفتار زید کو بہت کم لگ رہی تھی۔ وہ چاہتا تھا وہ جلد از جلد اپنی منزل پر پہنچ جائے لیکن فاصلہ تھا کہ سمٹنے کی بجائے مزید بڑھتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

بہت دیر بعد وہ عمارت اسے دکھائی دی جس کو وہ کب سے نا چاہتے ہوئے بھی دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ اس پتے پر پہنچ ہی گیا جہاں اسے پہنچنا تھا۔ وہ ایک فارماکیوٹیکل کمپنی کے سامنے کھڑا تھا۔ اس نے رکشے والے کو پیسے دیے اور قدم اندر کو بڑھائے۔

آفس کے باہر سے بھی محسوس ہوتا تھا کہ اندر نیم اندھیرا چھایا ہوا ہے۔ چھٹی کا دن ہونے کی وجہ سے اس وقت وہاں کوئی نہیں تھا مگر اس کے ٹیکسٹ میسج میں صبح اسے یہی ملنے کو کہا گیا تھا۔

وہ آرام سے چوکیدار کے پاس سے گزرا۔ چوکیدار نے اسے اندر جاتے دیکھ لیا تھا مگر وہ ویسے ہی کھڑا رہا۔ اس نے زید کے اندر جانے کو نظر انداز کیا تھا۔ شاید اسے یہی آرڈر ملے تھے۔

وہ نچی منزل میں داخل ہو گیا اور پھر نظریں ادھر ادھر دوڑائی۔ اس کی نظر لفٹ پر گئی۔ اس نے اسی طرف اپنا رخ موڑا۔

لفٹ کے دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر اس نے بٹن دبایا تو لفٹ کا دروازہ کھل گیا۔ زید لفٹ کے اندر داخل ہو گیا اور کچھ بٹن دبا کر پیچھے کھڑا ہو گیا۔ دروازہ بند ہو گیا اور لفٹ اوپر کی جانب سفر کرنے لگ گئی۔

ایک ایک گزرتا پل زید کے اعصاب ہر حاوی گزر رہا تھا۔ اس وقت اس کے دل میں ایک بچکانہ خواہش جاگی کہ کاش وہ پلک جھپکتا اور اس کے سامنے اس کا مطلوبہ شخص ہوتا۔

لفٹ جیسے ہی مطلوبہ منزل پر پہنچی تو اس نے اپنے دروازے کھول دیے۔ وہ لفٹ سے باہر نکلا اور آرام سے راہداری میں گزرنے لگ گیا۔ چلتے چلتے اس نے اپنا پورا وجود موڑا اور ایک دروازے کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

دو تین منٹ اس کے سامنے کھڑا رہنے کے بعد وہ اندر داخل ہو گیا۔

اس کمرے کو اگر غور سے دیکھو تو اندھیرا ہی اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ بس کمرے کے درمیان میں ایک بلب لٹکا ہوا تھا جس کے عین نیچے میز اور راکنگ چیئر رکھی ہوئی تھی۔ راکنگ چیئر کی زید کی جانب پشت تھی مگر زید جانتا تھا وہ وہی پر بیٹھا ہوا تھا۔

"تمہاری ہمت کیسے ہوئی میری بیوی کو یہ سامان بھجوانے کی؟" زید نے چیخ کر پوچھا۔
کرسی پر حرکت ہوئی مگر وہ مڑی نہیں تھی۔

زید قدم قدم چلتا عین میز کے پاس چلا گیا اور ہاتھ میں موجود گلدستہ اور کتاب اس نے پٹک کر میز پر ماری۔

"میری بات کا جواب دینا پسند کرو گے۔ تم نے میری بیوی کو یہ پھول دینے کا سوچا بھی کیسے؟"

"تمہاری بات کا میں کیا جواب دوں زید؟ اس دن ریسٹوران میں شاید ہم نے بات کر لی تھی۔" کرسی کی دوسری طرف سے جواب دیا گیا تھا۔

زید نے اپنی مٹھی سختی سے بھینچی۔

"میں تمہیں بتا رہا ہوں، میری بیوی کے پاس اب تمہارا سایہ بھی نہیں پڑنا چاہیے ورنہ میں۔۔۔" زید اسے وارن کر رہا تھا جب اس آدمی نے اس کی بات کاٹ دی۔

"ورنہ کیا؟" وہ آدمی مڑا۔ اس کا آدھا چہرہ ابھی بھی تاریکی میں تھا۔

زید نے دونوں ہاتھ میز پر رکھے اور اس آدمی کے بہت قریب آگیا۔ اتنا قریب کے بس اب اسے اس کی آنکھیں ہی دکھائی دے پا رہی تھی۔

"ورنہ میں تمہاری لاش کا وہ حشر کروں گا کہ دنیا والے اس سے عبرت لیں گے۔ بات سمجھ آئی تمہیں؟"

آدمی کے تاثر پہلے تو بے تاثر ہی رہے مگر پھر وہ ہنس پڑا۔

"تمہاری یہی غلط فہمی تو نہیں جاتی ہے۔ تم اسے اپنا سمجھ بیٹھے ہو حالانکہ میں نے تمہیں وہ بس کچھ دن کی نگرانی کے لیے دی تھی۔ وہ نکاح جو اس دن ہوا تھا وہ میرے پلان میں شامل تھا یار! تم کیوں خود کو ان سب میں پھنسا رہے ہو۔ میں تمہیں اس سب سے نکالنے کو تیار ہوں۔ میری بات کو ٹھنڈے دماغ سے سوچو!"

اس کی بات سن کر زید خاموشی سے اسے گھورتا رہا۔ آریان کو لگا وہ زید کو راضی کرنے میں کامیاب ہو رہا ہے۔

"جائی یا نہ بس ایک عورت ہے۔ ایسی تو ہزاروں تمہیں مل جائیں گی لیکن پیسہ! اگر تم میری بات نہیں مانو گے تو جانے وہ تمہیں کب ملے اور ملتا بھی ہے یا نہیں؟ ابھی جائی یا نہ تمہارے ساتھ رہتی نہیں ہے مگر دیکھو تمہارے خرچے کس قدر بڑھ گئے ہیں۔ کیا مجھے نہیں پتہ اس کے لیے چیزیں خریدتے ہوئے تم اپنی ضروریات کو کس قدر نظر انداز کرتے ہو۔ تم نے تو اپنی بائیک تک بیچ ڈالی ہے۔" تھوڑی دیر کے لیے رک کر دوبارہ بولا۔ "اگر تم میری بات پر غور کرو گے تو تم عیش میں رہو گے۔ ویسے بھی عورت کی سب سے بڑی کمزوری آسائش ہوتی ہے۔ جائی یا نہ ایک اچھے کھاتے پیتے گھرانے کی بیٹی ہے۔ وہ تم جیسے غریب انسان کے ساتھ مجبوراً رہ رہی ہے۔ کبھی سوچا ہے اگر اس کے پاس تم سے کوئی بہتر آپشن آیا تو وہ کیا کریں گی؟ مجھے یقین ہے وہ سمجھدار لڑکی تمہیں چھوڑ کر اپنی زندگی بنائے گی۔"

زید ابھی تک میز پر جھکا ہوا تھا۔ اس نے سر نیچے کر کے گہری سانس خارج کی۔ پھر اس نے اس آدمی کی جانب دوبارہ دیکھا۔

"تم کتنے پیسے دو گے مجھے؟" اس کی آواز میں اب سکون تھا۔

"جتنے تم چاہو۔" اس کے چہرے پر مسکراہٹ سج گئی تھی جیسے بزنس ڈیل فائنل ہوتے ہوئے ہر بزنس مین کے چہرے پر سجتی ہے۔

"تم مجھے بتاؤ تم مجھے کتنا دے سکتے ہو؟" زید کا سوال سن کر وہ سوچ میں پڑ گیا۔

"دس کروڑ۔۔۔ میں تمہیں دس کروڑ دے سکتا ہوں بلکہ اگر تم چاہو تو میں تمہیں بیس کروڑ دینے تک کو تیار ہوں۔ بس جانی یا نہ کو طلاق دو اور اپنا کردار اس کہانی میں مکمل کر کے چلے جاؤ۔"

ایک پل کے لیے کمرے میں گہری خاموشی چھائی۔

"چچ! زید نے تاسف سے کہا۔ آریان نے اچھنبے سے اسے دیکھا۔" بس تم اتنی ہی قیمت لگا سکتے یار۔ مجھے یہ امید نہیں تھی۔ تم اس عورت کی میرے سامنے بیس کروڑ قیمت لگا رہے ہو جس کی ہر ہر چیز مجھے انمول لگتی ہے۔"

زید نے میز پر سے ہاتھ اٹھائے اور آہستہ آہستہ چلنے لگا۔

"اس کی مسکراہٹ انمول ہے، اس کی زبان سے ادا ہوتا ایک ایک لفظ حفظ کرنے کو دل چاہتا ہے، اس کی ہر ادا قیامت ڈھاتی ہے، اس کے قہقہے پر دنیا رکتی ہے، اس کی آنکھوں میں دنیا بستی ہے، اس کے چہرے کا ہر تاثر ایک فلم جیسا لگتا ہے، اس کے آنسو دل ڈوبا دیتے ہیں۔ اس کے پاس اتنا سب کچھ ہے کہ یہاں میں اگر گنتی کرنے بیٹھوں تو میرے پاس گنتی ختم ہو جائے گی۔" زید یہ سب بتاتے ہوئے اپنی انگلی کے پوروں پر یہ سب گن بھی رہا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ نامحسوس انداز میں کرسی کی پچھلی جانب بھی جا رہا تھا۔

"تم نے کہا کہ تمہاری ڈیل فائدے کی ہے مگر مجھے تو یہ گھاٹے کی ڈیل بھی نہیں لگتی ہے۔ تمہارے بیس کروڑ تو اس کی ایک مسکراہٹ کے برابر نہیں آ پارہے ہیں۔ اگر میں تمہاری جگہ ہوتا آریان اور

میں دنیا جہاں کا خزانہ بھی اس کے لیے لٹا دیتا تو بھی یہ اچھے سے جانتا ہوتا یہ سب تو اس کی دھول کے برابر بھی نہیں ہے۔"

زید اب کرسی کے پیچھے پہنچ گیا تھا۔ اس نے کرسی گھمائی اور اس کو اپنی جانب کیا۔ وہ قدرے جھکا اور ایک بار پھر اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"آئندہ کے بعد سودا بازی کرنے سے پہلے جان لینا تمہارے پاس پڑے ہوئے یہ دو تین ارب میری جائی یا نہ کے آگے حقیر تر ہے خدا حافظ!" زید نے کرسی کو جھٹکا دیا اور اس کو وہی چھوڑ کر جانے لگا۔ وہ کمرے سے نکل پاتا اس سے پہلے ہی آریان کی آواز نے اسے روکا۔

"وہ اگر میرے پاس نہیں رہی تو تمہارے پاس بھی نہیں رہے گی۔ عورت ہمیشہ آسائش کے لیے خود کو بیچ ڈالتی ہے" لہجے میں بلا کا غرور تھا۔

"میری جائی یا نہ ایسا کبھی نہیں کرے گی۔" لہجے میں بلا کا اعتماد تھا۔ اس کے بعد زید کمرے سے باہر نکل گیا۔

کرسی پر بیٹھا شخص کچھ دیر تک بند دروازے کو دیکھتا رہا۔ پھر اس نے اپنی پینٹ کی جیب سے موبائل نکالا جس کی اسکرین پر دیکھو تو اس میں کال جاری تھی۔ اس نمبر کو امی جان کے نام سے محفوظ کیا ہوا تھا۔

"امی جان! دیکھ لیا آپ نے زید اپنی بیوی سے کس قدر محبت کرتا ہے۔ میں تو پہلے ہی کہہ رہا تھا یہ سب کرنے کا کوئی فائدہ نہیں نکلے گا۔"

دوسری طرف سے آواز ابھری۔

"تم بہت جلد بازی کر رہے ہو۔ زید بھلے ہی جائی یانہ سے بہت محبت کرتا ہے مگر تم یہ کیوں بھول رہے ہو ایک عاشق ہونے سے پہلے وہ ایک مرد ہے اور مرد کے دل میں ہلکا سا شک ہی اس کی ازدواجی زندگی کو تباہ کر ڈالتا ہے۔"

"زید کے دل میں جائی یانہ کے لیے شک ڈالنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے چٹان میں پھول کھلنے کی امید کرنا!" اس کے چہرے میں صاف برہمی تھی۔

"میں تم سے زیادہ مردوں کی نفسیات کو سمجھتی ہوں۔ مجھے پورا یقین ہے جو کچھ ہم لوگ کر رہے ہیں وہ یقیناً زید اور جائی یانہ کو ایک دوسرے سے الگ کروا دے گا۔"

کمرے میں سازش کی بو پھیل چکی تھی۔

وقت کو ایک بار پھر پیچھے گھماؤ تو تمہیں چلتے رکشے میں کالی چادر والی لڑکی گھنگھرا لے بالوں والے لڑکے پر برستی ہوئی دکھائی دے گی۔

"تم نے جائی یانہ سے جھوٹ کیوں بولا۔ میں نے تو تمہیں نہیں بتایا تھا ہم دونوں بازار گئے ہیں؟"

"اس وقت یہ بولنا ضروری تھا۔" زید نے آرام سے کہا۔ کچھ ایسا تھا جو نائلہ کو بری طرح کھٹکا تھا۔

"زید تم بہت مشکوک ہوتے جا رہے ہو۔ مجھے تو اب جائی یانہ کی فکر رہنے لگ گئی ہے۔ کہیں تم کسی لٹے سیدھے دھندے میں تو ملوث نہیں ہو؟"

نائلہ کے لمبے میں بلا کی فکر تھی۔

"تمہیں جائی یا نہ کے لیے فکر رہنی بھی چاہیے نائلہ!" وہ بہت آرام سے اپنی انگلی کی ناخن کی طرف نکلی ہوئی کھال کو کھینچتے ہوئے بولا۔ "تمہاری دوست واقعی میں بہت بری اسپویشن میں پھنس چکی ہے۔"

"تم کیا کہہ رہے ہو زید؟ کھل کر بتاؤ۔" نائلہ اب واقعی میں پریشان ہو گئی تھی۔

زید نے ایک لمبی سانس اندر کو کھینچی۔

"جائی یا نہ خطرے میں ہے۔" نائلہ کی آنکھوں میں الجھن چمکی مگر زید کی بات مکمل نہیں ہوئی تھی۔

لیکن ان کا خطرہ میں نہیں آریاں ہوں۔"

"آریاں، آریاں کون؟"

اس نے پوچھا۔

"آریاں جہانگیر!"

(باقی آئندہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔۔۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اَحِبَّابُ۔۔۔۔۔"

ناولز کی دنیا کے ناولز میں خوش آمدید ---- "

ناولز کی دنیا "ویب سائٹ / گروپ / پیج" دے رہا ہے تمام لکھاریوں کو ایک ایسا پلیٹ فارم جہاں آپ اپنی خدا داد صلاحیتوں کو اپنے قلم سے تحریر کر کے اپنا اور اپنے ملک کا نام روشن کر سکتے ہیں --- اگر آپ کو بھی اللہ کی طرف سے یہ صلاحیت دی گئی ہے تو اسے اجاگر ضرور کریں --- ہمیں آپ جیسے ہی لکھاریوں کی تلاش اور ضرورت ہے ---

اگر آپ ہمارے بلاگز پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو ہم سے رابطہ کریں -- اپنی تحریر اردو میں ٹائپ کر کے ہمیں بھیجیں۔ جتنا جلدی ہو سکا آپ کی تحریر پوسٹ ہو جائے گی ---

مزید تفصیلات یا کسی بھی طرح کی مدد کے لیے ہم سے گروپ یا پیج انباکس میں رابطہ کریں یا ای میل پر ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں --

Email address :- Novelskiduniya77@gmail.com

Facebook page :- [Novels ki duniya](#)

(user name [@zoyatalib77](#))

Facebook group :- [Novels ki duniya](#)

Instagram Page:- [Zoya Talib](#) (UserName: [Novelskiduniya77](#))

Youtube Channel: Novels Ki Dunya (NKD) Official

(پر خیال رہے کہ یہ گروپ زویا طالب کا ہی ہو)

اور باقی کے رابطے کے لیے ہر پیج کے نیچے **Blue** الفاظ میں لکھے لفظ میں آپ کو لنکس مل جائے گے ان سب کے --

لکھا ہے ان دونوں کو وزٹ کرنے کے لیے لکھے ہوئے پر ہی کلک کریں اور اوپن کر لیں ---

شکریہ ----